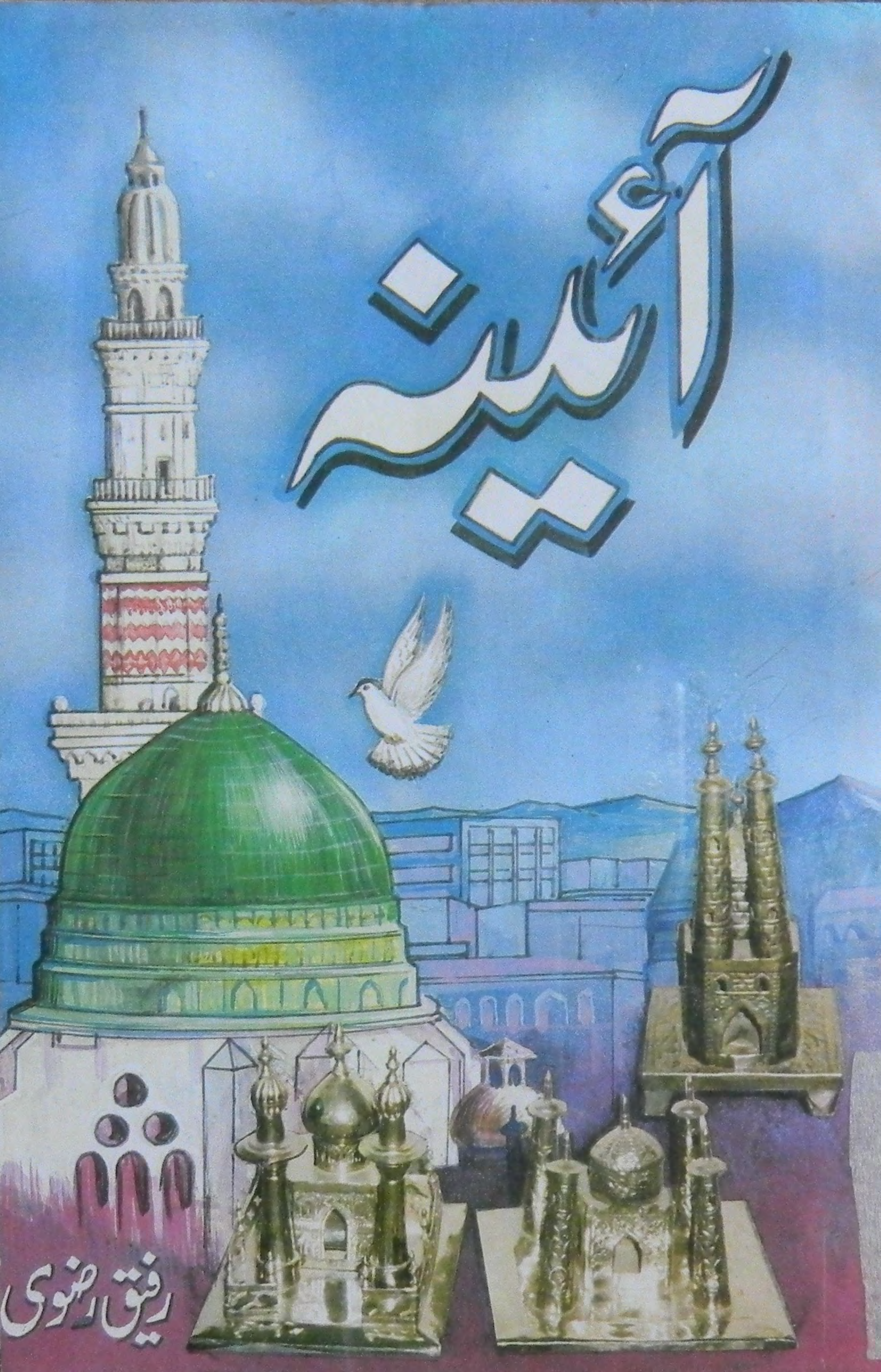

آئینہ
رفیق رضوی

آئینہ

تحقیق، آراء اور مصنّف
کے افکار کا مجموعہ

.......O از رفیق رضوی O.......
اِدارۂ محسنِ ادب۔ ۱۲/بی گلشنِ علی
بلاک ۱۹ فیڈرل بی ایریا۔ کراچی
فون نمبر: ۶۳۴۰۳۸۰

نام کتاب	آئینہ
مصنف	رفیق رضوی
زیرِ اہتمام	ادارۂ محسنِ ادب
کتابت	انچولی کارڈ سینٹر
	فون نمبر: ۶۳۶۹۰۸۶
طباعت	-
سرِ ورق	سیّد اصغر حسین عابدی جونپوری
تعداد	ایک ہزار
قیمت	ساٹھ روپے
سن اشاعت	۱۴۱۷ ہجری - م - ۱۹۹۶ء

ملنے کا پتہ: ادارۂ محسنِ ادب
۱۲/بی گلشنِ علی بلاک ۱۹
فیڈرل بی ایریا۔ کراچی فون نمبر: ۶۳۴۰۳۸۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مصنّف

دوستو آئینہ بحمد اللہ ناچیز کی تقریباً سوا سال کی قلیل مدّت میں ساتویں پیشکش ہے اس سلسلہ میں کچھ باتیں تو آپ سے ضرور کرنی ہیں لیکن گفتگو کہاں سے شروع کروں، سخت پس و پیش میں ہوں، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ حکایات کا سہارا لوں تاکہ کوئی راستہ نکل سکے۔

یعسوب کا واقعہ تو کتاب "لکھی آن لکھی" میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں اس کا دُہرانا تحصیلِ حاصل ہے لیکن اِس واقعہ سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ خیالِ نصرتِ معصوم مخلوق کو بارگاہِ ربّ العزّت میں بلند نہیں بلند تر کر دیتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام بازار میں بکنے آتے ہیں، خریداروں کا ہجوم، اس ازدحام (اژدہام) میں ایک ناتواں ضعیفہ بھی شامل، ہاتھ میں دھاگہ کی ایک انٹی لوگوں نے پوچھا محترمہ (بڑی بی) آپ کیوں آئیں؟ فرمایا یوسف علیہ السلام کو خریدنے، لوگوں نے پوچھا کس مایہ سے خریدو گی؟ آنٹی دکھا کے کہا اس سرمایہ سے، لوگ خوب خوب ہنسے، جب ذرا خاموشی ہوئی تو محترمہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا سنو میں فاتر العقل نہیں، بیشک یہ بے حقیقت آنٹی یوسف علیہ السلام کی قیمت نہیں لیکن میرا نام تو فہرستِ خریدارانِ یوسف علیہ السلام میں لکھا جائے گا، کیا خوب ادا تھی عزیز مصر کے ساتھ ضعیفہ کا ذکر بھی امر ہو گیا ہماری زبان کی ایک

ضرب المثل ہے "سوت کی آنٹی یوسف علیہ السلام کی خریداری"

روضۂ امامِ علی رضا علیہ السلام پر ایک ضعیفہ "مٹی کا دیا، روغنِ زیتون سے بھرا ہوا، روئی کی بتی" لے کر حاضر ہوئیں ایسا بے مایہ تحفہ اِس بارگاہ میں خدام نے اب تک نہیں دیکھا تھا بہر حال بہ اکراہ مال خانہ میں جمع کر دیا گیا ہر آتے جاتے کی نظر پڑتی ہے میں تو کہوں گا مرکزِ نگاہِ خادمانِ بارگاہِ معصوم بنا ہوا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شب پورے شہر مشہد کی بجلی غائب ہو گئی چنانچہ یہی چراغ روضۂ اقدس پر روشن کیا گیا اور ہر ایک نے اس بے مایہ کو گراں مایہ تسلیم کیا۔

ایسی بہت سی مثالیں میرے سامنے تھیں جن کی روشنی میں، میں اپنی تحریروں کو پیش کرنے کے لئے مضطرب تھا تاکہ "بے مایہ تحریروں کے ذریعہ ہی سہی فہرستِ ذاکرین معصومین میں میرا نام تو آجائے۔

بے سر مایہ کتابیں طبع ہونے لگیں، دامے، درمے، سخنے ادب پسند، ادب نواز ادب پرور دُور دُور سے کھنچ کھنچ کے سامنے آئے اور اتنی کم مدت میں سات ضخیم کتابیں منصۂ شہود پر آئیں۔ مندرجہ ذیل دو خصوصیات اِن کتب کی قابلِ ذکر ہیں:۔

(۱) پہلی دو کتابیں "مآثر" اور "بیوت الجناں" انعام یافتۂ بارگاہِ امامِ علی رضا علیہ السلام ہیں (تفصیل اِسی کتاب میں موجود ہے)

(۲) بحمد اللہ ہر کتاب اپنی طباعت کے پندرہ دن کے اندر اندر میرے پاس ختم ہو چکی تھی جب کہ اوّل الذکر کتب بار دوم بھی طبع ہوئیں۔ اِن کتابوں کے وہ طالبان جن حضرات تک تاحال نہ پہنچ سکیں انشاء اللہ طبع بار سوم، اور بارِ دوم میں پہنچانے کی سعی کروں گا۔

اس پس منظر میں بفضلِ ربّ العزّت بلا خوفِ تردید میں اپنے آپ کو خوش قسمت ترین مصنفین میں سے ایک کہہ یا لکھ سکتا ہوں بلکہ انشا اللہ بتائیدِ چہاردہ معصومین کہا یا لکھا جاؤں گا۔

مندرجہ بالا تفاخر کے باوجود میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ آفرین ہے اُن پر جو جہاد بالقلم کر رہے ہیں۔

کچھ ان کتابوں کے بارے میں:۔

(۱) یہ کتابیں انتہائی گنجلک ہیں، بائیس بائیس، چوبیس چوبیس سطور فی صفحہ پر مشتمل ہیں، وجہ وہی سرمایہ اگر مروجہ انداز پر پیش کی جاتیں تو دو دو سو صفحات پانچ پانچ چھ چھ سو صفحات بن جاتے یقیناً اس طرح نہ مجھ میں طبع کرنے کی قوّت ہوتی نہ دوستوں میں تعاون کی۔

(۲) برادرم علامہ شفیق رضوی صاحب کے بڑے صاحبزادے سیّد حسن رضا رضوی سلمہٗ نے کہا کہ ابّو آپ جیسا بھی کر رہے ہیں بہت اچھا کر رہے ہیں میں نے پوچھا وہ کیسے؟ کہنے لگے ہمیشہ حالات یکساں نہیں رہتے کل ممکن ہے ہماری مالی حالت بہت بہتر ہو جائے اس طرح اِن طبع شدہ کتابوں کو مروجہ انداز سے بہ آسانی شائع کر سکیں گے بصورتِ دیگر اِن کتابوں کی طباعت ہم میں سے کسی کے بس کی بات نہ تھی پروردگار سے دست بدعا ہوں کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے صدقہ میں اِن بچوں کو اور اِن کے اِن جذبات کو دائم و قائم رکھے، آمین ثم آمین

کچھ اِس کتاب "آئینہ" کے بارے میں:۔

اس کتاب کے مندرجہ ذیل تین ابواب ہیں:۔

(۱) ادبیات۔ یہ حصّہ اُن کے لئے جو ایم اے (لٹریچر) کر رہے

ہیں، کرنے والے یا کریں گے، اُن کے لئے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے، قارئین کرام اِسے بغور پڑھیں کوئی بات قیاسی نہیں ہے۔

(۲) تأثر اور "بیوت الجناں" پر قارئین کی آراء: بعض دوستوں سے معذرت خواہ ہوں کہ ان کی موقر تحریروں کی تلخیص پیش کر رہا ہوں اس کی وجہ بجز کتاب کے صفحات کی کمی کے اور کچھ نہیں۔ اُن حضرات سے بھی معذرت خواہ ہوں جن کی محبت آمیز باتیں اس کتاب میں نہ آسکیں اِن تحریروں کو انشاء اللہ بطور ضمیمہ آنے والی کتب میں سے کسی میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

(۳) تیسرا حصہ شعری ہے خدا کرے یہ آپ کو پسند آجائے۔

کچھ باتیں کتاب "لِکھی آن لِکھی" کے بارے میں:۔

اس کتاب کو صاحبانِ علم نے بہت غور سے پڑھا، اس بات پر سب ہی متفق ہیں کہ یہ ایک علمی دستاویز ہے پس اس میں مندرجہ ذیل چند اغلاط ہیں اُن کی تصحیح بیحد ضروری ہو گئی:۔

(۱) صفحات ۲۳ اور ۲۴ پر جو حضرت شاہ نیازؒ کا واقعہ درج ہے اُس میں وکیل صاحب کا نام محبت علی کے بجائے "دولت علی" پڑھا جائے۔

(۲) صفحہ ۲۸ پر خنجر پھینکنے کے واقعہ میں یہ جان لیا جائے کہ مرغابی پانی سے مچھلی پکڑتی ہے فضا میں اُچھالتی ہے پھر فضا میں ہی چونچ (منقار) سے پکڑ لیتی ہے۔

(۳) صفحات ۳۶، ۳۷ یا رامپور سے متعلق تمام واقعات میں "نواب کلبِ علی خاں" کے بجائے نواب حامد علی خاں پڑھا جائے۔

(۴) پروفیسر سید زین العابدین عابدی صاحب قبلہ کے حکم پر صفحہ ۱۳۵ سطر ۱۶ پر لفظ "لونڈا" کے بجائے "لڑکا" اور صفحہ ۱۳۶ سطر ۵ پر

لفظ "لونڈے" کے بجائے بچے پڑھا جائے میں قبلہ کا ممنون ہوں کہ امرِ واقعہ کے باوجود یہ الفاظ اُن کو میرے باب میں گوارہ نہیں۔

(۵) صفحہ ۱۷ جوش صاحب کا خواب (نیچے سے تیسری اور چوتھی سطور) "شیعیت ترک کرنے سے باز نہ آئے" کے بجائے "ترک کرنے پر امادہ نہ ہوئے"

چاروں کتابوں اور دونوں رسالوں میں چند بہت معمولی سی پریس یا کتابت کی اغلاط ہیں جن کو مناسب موقعہ و محل سے زیرِ کتابت کتاب "لِکھی اَن لِکھی" حصّہ دوم میں عرض کروں گا تاکہ آپ کچھ لطف اندوز بھی ہوسکیں۔ والسلام

احقر

رفیق رضوی

۲۱ اگست ۱۹۹۶ء

O

خود بخود سارے دِلوں کو جو مسخر کر لے

دل یہ کہتا ہے کہ ایسی کوئی ایجاد کریں

کچھ نقوش ایسے بناؤں جو مجھے وقت ملے

پھر کبھی رُخ نہ اِدھر مانی و بہزاد کریں

اپنے ماحول کی تصویر کچھ ایسی کھینچوں

آسماں رشک کرے اہلِ زمیں یاد کریں

O

بسم الله الرحمن الرحیم

اردو زبان کا خاندان

سنسکرت (سَن۔ س۔ کِ۔ رِت)

سنسکرت کے معنی پُر تکلف، مرصّع، منظّم، آراستہ، پیراستہ، منزّہ، مصفا، مقدّس۔ یعنی سن کے معنی مکمّل اور کرِت کے معنی مہذب لوگوں کی بنائی ہوئی۔

اسے ویدی زبان بھی کہا جاتا ہے اس زبان کی تاریخ پیدائش تاریخِ نامعلومہ کے دبیز پردوں میں پوشیدہ ہے ویسے ویدوں کا زمانۂ تصنیف پندرہ سو سال سے بارہ سو سال قبل مسیح ؑ ہے گویا کم از کم تین ہزار پانچ سو سال ہوئے جب یہ شباب پر تھی۔ ہند یورپی زبانوں سے متعلق سب سے زیادہ معلومات اسی سے حاصل ہوئیں نیز اسی زبان پر غور و فکر سے ماہرینِ لسانیات پر یہ حقیقت مستقلا منکشف ہوئی کہ زبانوں کے بھی خاندان ہوتے ہیں۔

اس زبان سے خاص لگاؤ مغربی ہندی گروہ کی زبانوں کو ہے۔ قارئین یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ میں زندگی کے ہر گوشہ میں "قیاس" کو حرام جانتا ہوں یعنی آئندہ صفحات کی ہر بات مسلمہ حقیقت ہے۔ تو گفتگو سنسکرت پر ہو رہی تھی ویسے دنیا کی اہم زبانیں آٹھ ہیں۔ ان آٹھ میں سے ایک ہند یورپی ہے، زبانوں کے خاندان میں یہ کثیر العیال ہے جن میں سے بیشتر زبانیں علمی اور ادبی اعتبار سے دنیا کی اعلیٰ ترین ہیں۔ برصغیر میں زیادہ تر اسی خاندان کا دور دورہ ہے،

ہند یورپی زبان کی زندہ بہنوں کو آٹھ شاخوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور اُن میں سے ایک "ہند ایرانی یا "آریائی" زبان ہے جس سے "اردو" مشتق ہے۔

سنسکرت کے چار ادوار ہیں پہلا دور جو صرف ویدوں تک محدود ہے یہ ویدک دور کہلاتا ہے۔ دوسرا دور پانِنی ہے، پانِنی جو پانچویں صدی قبلِ مسیح علیہ السلام پاکستان کے شہر ٹکسلا میں پیدا ہوا۔ اس نے سنسکرت زبان کی قواعد مرتب کی آج جو دنیا بھر میں سب سے قدیم ہے۔ اس دور میں یہ برِصغیر کے عالموں کی مشترکہ زبان بن گئی جب کہ پراکرت جس کا ذکر بعد میں آئے گا ہم سفر ہے سنسکرت کا تیسرا دور مہا بھارتی دور ہے اس دور میں مہا بھارت تصنیف ہوئی۔ عوامی زبان بنی پراکرت سے بکثرت الفاظ اس میں شامل ہوئے پھر مذہب کے ٹھیکہ دار آگے آئے، ویدک دور کی مخصوص زبان تک محدود کیا گیا عوام سے رابطہ ختم کیا گیا اور اُسے ٹکسالی سنسکرت کا نام دیا گیا اب برِصغیر کے مختلف علاقوں میں ذرا ذرا سے حلقوی اختلاف سے پراکرت انگڑائیاں لینے لگیں۔ پالی، ارد ماگدعی، پشاچہ ۔ن میں بدھ مذہب، جین مذہب وغیرہ کی کتب ہیں وہ سب کی سب پراکرت آمیز سنسکرت میں ہیں۔

پراکرت (پَ۔ را۔ کرت)

اس کے معنی ہیں خود رو، عام بول چال کی زبان، اہتمام سے بَری، یہ قدیم فارسی سے بہت زیادہ مشابہ، یعنی دونوں میں صیغۂ تثنیہ

نہیں ماضی تمام نہیں نیز مضارع کی ایک تشکیل ہے اس کی تین بہنیں یعنی شورسینی، جودوآبہ اور پنجاب پر قابض تھی، مگدھی جو مشرقی ہند پر حکمراں تھی اور مہاراشٹری جو جنوبی ہند کی والی تھی نیز سنسکرت ناٹکوں میں استعمال ہوتی تھی۔

ویسے پراکرت اشوک اور اس کے دور کے بعد ہی وجود میں آئیں۔ پراکرت کا مابعد ارتقا "آپ بھرنش" کے نام سے جانا گیا، جس کے معنی "افتاد" کے ہیں گویا سنسکرت، پراکرت پھر آپ بھرنش جس کا آغاز چھٹی صدی عیسوی سے ثابت ہے پس یہی زبانیں ہند آریائی زبانوں کا پیش خیمہ ہیں ان میں مقامی بولیوں کے بے شمار الفاظ داخل ہوئے صرف و نحو سادہ ہو گئی۔ ہم پراکرت اور آپ بھرنش کے درمیان خطِ فاصل کھینچنے سے معذور ہیں جیسے جدید آریائی زبانوں کے ارتقا کے بارے میں شورسینی پراکرت/آپ بھرتش۔

شورسینی

یہ سنسکرت سے مشتق ہے، سنسکرت میں جہاں حرف "ش" استعمال ہوتا ہے شورسینی میں "س" میں بدل جاتا ہے۔ مثلاً سنسکرت میں لفظ "دیش" شورسینی میں "دیس" ہو جائے گا ایسے بہت سارے الفاظ آج کی نستعلیق اردو میں موجود ہیں اس کا تعلق دوآبہ اور پنجاب سے ہے۔

مغربی ہندی۔ ہندی۔ کھڑی بولی

یہ وسطی ہند آریائی بولی ہے، شورسینی پراکرت سے مشتق، یہ

دریائے کبیر کی مثل ہے۔ برج بھاشا، قنوجی، بندیلی، بانگڑو یا ہریانی، ہندوستانی، سب اسی بحرِ بیکراں کی نہریں ہیں، انبالہ سے رامپور تک رائج ہے اس کا قدیم ترین نمونہ چند برئی یا چند بردئے کی نظم "پرتھی راج راسو" ہے اس کے ادبی خزانے میں چند بھگت یا وشنو پرست غیر برہمنوں کا مذہبی کلام، امیر خسرو، تان سین، بیربل، عبدالرحیم خان خاناں، فیضی وغیرہم کا کلام شمار کیا جاتا ہے۔

کلہے کو بیلا ہے بدیس
سر کاٹو تو امن بنے اور پیر کاٹو تو جام۔ جامن

رحیمن چُپ ہو بیٹھیو دیکھ دِنن کے پھیر
جب نیکے دن آئیں گے بنت نہ لگھتے دیر

سورداس اور بہاری لال نے بھی اس خزانے میں غیر معمولی اضافہ کیا۔

برج بھاشا

یہ مدھیا پردیس یعنی متھرا، علی گڑھ، دھولپور وغیرہ میں رائج ہے۔ کھڑی بولی کی حلقوی تبدیلی، شور سینی ہی سے ماخوذ، سنسکرت سے سب سے زیادہ متاثر اس کے دو رسم الخط تھے ایک دیوناگری جو اب جدید ہندی ہے دوسرا فارسی جو جدید اردو میں استعمال ہوتا ہے اس کا گہرا تعلق آودھی سے ہے، کبیر، میراں بائی، ملک محمد جائسی، گوسائیں تلسی وغیرہم نے اس کو زمین سے آسمان بنا دیا

تلسا، تلسی، تلسی رام   مایہ تیرے تین نام
رام کی دیوانی میرا درد نہ جانے کوئی

مشرقی ہندی، آودِہی، پوربیا، باگھیلی، چھتیس گڑھی

یہ وہی برج بھاشا ہے صرف حلقوی فرق ہے، یہ برِ صغیر کے مشرقی علاقہ میں بولی جاتی ہے۔

مغربی پنجابی یالہندا

اس کا بھی ماخذ وہی شور سینی ہے۔ سکھوں کی جنم ساکھی اسی زبان میں لکھی گئی پہلے اسے لنڈا رسم الخط میں لکھتے تھے بعدہٗ جدید اردو رسم الخط میں لکھی جانے لگی اس کے بہت سے نام ہیں جیسے سرائیکی، ملتانی وغیرہ۔

اردو کے کثیر تابع مہمل اس زبان میں آکر وہی معنی اختیار کر لیتے ہیں جو اصل کے ہیں جیسے "روٹی" وَٹی یعنی وَٹی کے سرائیکی میں معنی روٹی کے ہیں اس طرح ہزارہا الفاظ کا اضافہ اردو لغت میں صرف اس کے تابع مہمل سے ممکن ہے اس حقیر فقیر کے نہ وسائل ہیں اور اعضاء وجوارح میں قوت، کاش کوئی اس پر توجہ فرمائے۔

یہ پینتیس سو سال سے اوپر کا مختصر خاکہ آپ کے سامنے ہے چونکہ برِ صغیر نے اکائی کی شکل اکبر کے دور میں اختیار کیا پس بولیاں بھی یکجا ہوئیں ساری بہنوں نے ایک دوسری کی خیر وخیریت پوچھی اور اس آپس کی گفتگو کا نام اردو پڑا۔ بادشاہوں نے اشیرباد دیا، شاہجہاں نے "اردوئے معلیٰ" کالقب دیا اور یہ زبان غیر معمولی ترقی کرنے لگی ان ناقابلِ تردید حقائق کی موجودگی میں آپ اسے لشکری زبان کہیں، بازاری لکھیں، سندھی، فارسی جو خود اس کے بعد وجود

میں آئیں۔ ان کی کنیز بتائیں لیکن یہ طے ہے کہ میری زبان اردو مجہول النسب نہیں۔

آخر میں پھر عرض کروں گا جیساکہ ثبوت کے ساتھ اپنی کتاب "لِکھی آن لِکھی" میں عرض کر چکا ہوں کہ جن بولیوں کے الفاظ بکثرت اردو زبان میں استعمال ہوئے اگر انھیں "بولیوں" سے مزید الفاظ لے لیے جائیں تو کسی مقام پر مترادف کی شاید ہی ضرورت پڑے۔

حُسن

سرورِ کونینﷺ نے فرمایا "اللہ جمیل ہے اور جمال کو چاہتا ہے۔" یعنی اللہ حسین ہے اور حسن کو پسند کرتا ہے۔ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے۔ "حسن میں تو علم و ادب ہی حسن ہے۔" حسین کی ضد قبیح ہے یعنی بے علم و ادب قبیح ہے۔

حسن کی تاریخِ معلومہ سے آج تک جو تعریف بیان کی گئی ان میں سے چند ایک اس لیے کہ انسان طبعاً حسن پر مائل رہا۔ کیٹس نے کہا حسین چیز ایک ابدی مسرت ہے۔ ایک قول کے مطابق ایک فردوسی آہنگ سے کائنات کا ڈھانچہ وجود میں آیا۔ حسن فاطرِ عالم ہے یہودیوں کا عقیدہ "صیہون" یعنی کمالِ حسن سے خدا جلوہ گر ہوا بعض کے نزدیک حُسن ایک غیر معمولی مقناطیسی کشش ہے۔

ویسے ماضی میں حسن کو ایک غیبی اور غیر جسمانی دنیا کی چیز سمجھا جاتا تھا یعنی وہ حسن جو کائنات میں محسوس ہوتا ہے اس کا سرچشمہ کائنات سے باہر روزِازل سے موجود ہے اور یہیں سے شاعری اور نقل کے مسئلہ کی ابتدا ہوئی۔

بقولِ سقراط حُسن اُس چیز کا نام ہے جو کسی غرض کو پورا کرے نیز یہ کہ حُسن وہ چیز ہے جو لوگوں کو بھلی معلوم ہو۔ ارسطو کے قول کے مطابق حُسن یا خیر اعتدال کا نام ہے۔ اپیقورس کی فکر کے مطابق حُسن اُس تناسبِ مادّی کا نام ہے جو ہمارے حواس کو بھلا معلوم ہو اور جس سے ہم حظ اُٹھا سکیں۔ ایک اور فلسفی غالباً اگستین کے خیال میں حُسن تلوّن اور تنّوع کا نام ہے یعنی حُسن ایک آہنگ ہے جو مختلف اور متضاد سُروں سے مرکب ہے۔ طامس اکوئناس تمام حسن کا سرچشمہ خدا کو سمجھتا ہے۔ ہیوم حسن کو بازاری جنس مانتا ہے یہ کہتا ہے ہم تو اُس چیز کو حسین کہتے ہیں جس میں ایک قسم کی زیبائی اور دلکشی پائی جائے اور جس سے ہم کو راحت ملے یقیناً یہ حُسن کا ایک افادی پہلو ہے۔ بام گارتن حسن اور حقیقت کو ایک ہی جوہرِ اولیٰ کے دو نام سمجھتا ہے یعنی جب تک حدِ احساس میں رہے تو حسن اور جب حدِ تعقّل میں آئے تو حقیقت گویا حُسن و حقیقت نام ہیں ترتیب و آہنگ کے۔ کیٹس بھی یہی کہتا ہے کہ حسن حقیقت ہے حقیقت حسن۔ کانٹ اس چیز کو حسین گردانتا ہے جو بغیر غرض و غایت مسرور کرے لیکن فلاطینوس کے نظریہ کے مطابق حسن کے معنی ہیں لطیف کے کثیف پر اور اعلیٰ کے ادنی پر حاوی ہونے کے یعنی جب تصور مادّہ پر، روح جسم پر اور خیر شر پر غالب ہو تو یہ حسن ہے۔

کروچے کے بقول کوئی چیز اگر مکمل طور سے معرضِ اظہار میں آجائے تو اُسی کو عوام کی اصطلاح میں حسن کہتے ہیں یعنی حسن نام ہے کمال کا

کسبِ کمال کُن کہ عزیزِ جہاں شوی

شلر حسن کو زندگی مانتا ہے جس کا مظاہرہ صرف فنکاری کے ذریعہ ہی ممکن ہے یعنی فنونِ لطیفہ اپنے حسن کے باعث مظاہرِ قدرت پر فتح پانے میں مدد دیتے ہیں گویا حسن و فنکاری لازم و ملزوم ہیں۔ فنکاری کسی مفروضہ حسن کے اظہار کا نام نہیں بلکہ خوب سے خوب تر کی جستجو اور اس کو پانے کی کوشش کا نام انسانی لغت میں فنکاری ہے۔

بقول گوئٹے جب تک فنکار ایسے کرداروں کو پیش کرتا ہے جن سے وہ حقیقی زندگی میں ملا ہے اُسے فنکار نہیں کہا جاسکتا وہ محض ایک عکاس اور نقال ہے لیکن جب وہ نمائندہ کردار پانے یا ڈھالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تب وہ تخلیق کا حامل ہوتا ہے۔

نازکی اُس کے لب کی کیا کہیے

پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

پہلے جمالیات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ جمال کچھ سمجھ میں آسکے۔ ارشادِ سرکارِ دو عالم ﷺ کو پھر دُہرا رہا ہوں۔ "اللہ جمیلٌ و یحبُّ الجمال" اور قولِ حضرت علی علیہ السلام کہ "جمال میں تو صرف علم و ادب ہی جمال ہیں۔"

جمالیات

جمالیات دراصل فلسفہ ہے حُسن اور فنکاری کا گویا جمالیات سے مراد وہ نظریے ہیں جو حسن اور اس کے کوائف و مظاہر کی تحقیق و تشریح میں پیش کیے گئے اور پیش کیے جاتے رہیں گے۔ پس اس کی ابتدا ستائیس یا اٹھائیس سو سال ماقبل، یونان سے ہی شروع کرنے پر

مجبور ہیں لیکن پہلے اس کی مختصر سی تاریخ۔
زمانۂ قبلِ تاریخ سے فنونِ لطیفہ کا وجود ثابت ہے۔ پتھر کا زمانہ اور اُس زمانے کے اوزار انسان کے جمالیاتی شعور کی جڑیں ہیں گویا فن برائے فن تاریخ انسانی سے خارج ہے۔ ہر زمانے کا فن اُس زمانے کے انسانوں کی زندگی کا مظہر ہوتا ہے دراصل پے بہ پے سعی و عمل نے بشریت کے اوّلین ادوار میں ہی انسان کے اندر وہ شعور پیدا کیا جو بیک وقت افادی بھی تھا اور جمالیاتی بھی گویا فنونِ لطیفہ کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ انسان کی۔ میں نے ابتدا میں ہی عرض کیا تھا کہ اس کا تحریری جائزہ یونان سے ہی ممکن ہے۔
حالانکہ افلاطون جمالیات کا منکر معلوم ہوتا ہے لیکن ہم اس کو اس کا مرکزی نقطہ ماننے پر اس لیے مجبور ہیں کہ اسٹیس میں شعراء کو خارج کرتا ہے مگر ارسطو کے ایک خط کے جواب میں لکھتا ہے کہ صاحبان شریعتِ غرا، اولیاء و اوصیاء و انبیاء، شعراء اور عشاق مافوق الفطرت ہوتے ہیں ویسے ارسطو پہلا شخص ہے جس نے جمالیات کے موضوع پر "بوطیقا" جیسی اہم باقاعدہ تصنیف کی جس میں آج بھی فن کے وہی خدوخال ہیں جو اس مختصر سی کتاب میں متعین کیے گئے اس طرح ارسطو جمالیات کا پہلا باقاعدہ فلسفی قرار پانے کا مستحق ہے ویسے (Asthetics) جمالیات کی تشریح و توضیح مغرب میں بام گارتن سے شروع ہوتی ہے جو ہیوم کا معاصر ہے۔ بام گارتن کے مطابق حسن و ترتیب نام ہیں ترتیب و آہنگ کے جیسے ایک میڈیکل اسٹور ہے (دواؤں کی دکان) ایک مریض کے لیے وہ دکان بیکار ہے جب تک کوئی ڈاکٹر ایک نسخہ مرتب نہ کرے اور اس نسخہ کے مطابق مریض دوا، نہ

استعمال کرے پس میں کہوں گا کہ ترتیب و ترکیب کا نام حکمت ہے۔ کانٹ کا کہتا ہے کہ فنونِ لطیفہ کا کام صرف حسین چیزوں کو پیش کرنا نہیں بلکہ چیزوں کو حسین پیرایہ میں پیش کرنا ہے۔

ادب

ایک وضاحت کردوں کہ حُسن جس میں علم اور ادب ہے۔ مشرق میں اس کی تعریف دور بہ دور موجود ہے جیسے "اچھا شعر وہ ہے جو یاد رہ جائے۔" عربی زبان میں تقریباً ۲ ہزار سال کی حد تک یہ مثالیں موجود ہیں اور انھیں کی روشنی میں آج بھی "اصبعِ معلقات" سات قصیدے چودہ سو سال سے اوپر کا ادب لیکن زندہ۔ میں اپنے ان مختصر مضامین میں یونان اور مغرب کا حوالہ صرف ایم اے لٹریچر کے طلباء کی ضرورت کے تحت نیز آپ کو میری کتابیں کیوں پڑھنی چاہئیں کی وضاحت میں بھی کر رہا ہوں حضرت علی علیہ السلام کا قول ہے یہ مت دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے یہ دیکھو کیا کہہ رہا ہے۔" ہماری زندگی سے باہر دنیا میں جو کچھ ہوتا رہتا ہے اس کا اثر ہماری زندگی پر پڑتا ہے۔ انسان چند انسانوں کی مدد سے ایک معاشرہ تشکیل کرتا ہے جو اس کی جبلت ہے اور اس طرح وہ سماجی زندگی میں داخل ہوتا ہے اسی سماجی زندگی میں ادب جنم لیتا ہے گویا ادب ذریعہ ہے سماج کے حسن و قبح کے ظاہر کرنے کا اس طرح ادب حیات کی تنقید کا کام کرتا ہے۔

ادب نامیاتی ہے اس لیے وہ ہر انقلاب سے متاثر ہوتا ہے۔ ادب جمالیات کا مظہر ہے۔ مارکسی نظریہ نے ادب کو جدلیاتی بنا دیا۔ اب یہ عمارت ہی گر گئی پس جدلیاتی نظریہ اپنی موت آپ مرچکا۔

ادب برائے زندگی مسلّمات میں سے ہے تاہم وکٹر ہیوگو "ادب برائے ادب" کی اصطلاح کا دعویدار ہے لیکن یہ دعویٰ درست نہیں ویسے وکٹر کوزین اس سے قبل کہہ چکا تھا کہ ادب ادب کی خاطر ہونا چاہیے اور وکٹر کوزین ہی نے اس مسئلے کو مسئلہ بنایا۔

انیسویں صدی کے وسط میں یورپ کے تمام ادبی حلقوں میں اس مسئلے پر بڑی زور شور کی بحثیں ہوئیں کہ آیا ادب، ادب کے لیے ہے یا ادب زندگی کے لیے ہے ویسے خود وکٹر ہیوگو قائل تھا کہ ادب زندگی کے لیے ہے۔

پُر لطف بات یہ ہے کہ یورپ کی حد تک آج تک زبردست بحث اس مسئلے پر جاری ہے۔

انگریزی لفظ لٹریچر کا اردو میں عام طور پر ادب یا ادبیات ترجمہ کیا جاتا ہے جو یقیناً اپنے مقصد کے حصول کے لیے ناکافی ہے لیکن اس لفظ سے بہتر ترجمہ ممکن بھی نہیں اوّل اوّل اس کا استعمال عربی زبان میں کیا گیا جو صرف شائستہ علوم کے لیے مختص تھا بعدہٗ اس کے ذیل میں تمام تمدّنی علوم آئے۔

مغرب میں ادب یا لٹریچر کی تعریف مختلف الفاظ میں کی گئی اور اس میں تمام تحریریں داخل سمجھی گئیں لیکن یہ تعریف مکمل نہیں ہو سکتی کیوں کہ بہت سی قبیح تحریریں بھی اس حدود میں آجاتی ہیں۔ میتھرارنلڈ کا قول بہت اعتدال پر مبنی ہے یعنی "کتابوں سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ لٹریچر میں داخل ہے۔" گویا ادب تنقیدِ حیات ہے۔

ادبیات کی اخلاقی قیمت پر لوگوں نے متضاد رائیں قائم کیں

ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ ایک کتاب کی اخلاقی قیمت ہے بعض کہتے ہیں کہ فن کو محض فن کی حیثیت سے دیکھو یعنی ادب برائے ادب۔

کچھ بھی ہو ادبیات سے انسانی زندگی کو جو تعلق حاصل ہے اس کی اخلاقی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اس لیے حسن و فنونِ لطیفہ کو حسن و فنون لطیفہ کی حیثیت سے دیکھنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

ادبیات کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ جذباتِ انسانی کو حرکت میں لائے اس لیے ادبیات میں اہم ترین اس کی "جذباتی قیمت ہے" تاہم حسن کی اس تعریف کو پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ حسن نام ہے کثیف پر لطیف کا غالب آنا یعنی تصور کا مادہ پر روح کا جسم پر، خیر کا شر پر حاوی ہونا اس کے برخلاف عمل قبیح ہوگا جس کا ادب سے تعلق نہیں۔ ویسے ادب نام ہے اس دستاویز (Record) کا جس سے انسان اپنی زندگی میں دوچار ہوتا ہے۔ یعنی بہ الفاظ دیگر ادب زندگی کا اظہار ہے۔ جس طرح ادب کی تخلیق زندگی سے ہوتی ہے اسی طرح زندگی کا سہاگ ادب پر منحصر ہے۔ ادب کی کوئی شکل بھی ہو زندگی کے کسی نہ کسی شعبے کی مظہر ضرور ہوگی۔

ادب کے دو اہم پہلو قابلِ توجہ ہیں یعنی عملی اور جمالیاتی، عملی ادب کی تشریح یہ ہے۔ ادب روح کی ایک زبردست آواز ہے۔ یہ جدید اشیاء کی بابت ہمارے احساس میں تحریک پیدا کرتا ہے۔ ہماری معلومات و اطلاعات کو ترقی دیتا ہے جن اشیاء سے آشنا نہیں ان سے آشنا ہوتے ہیں۔ جن سے اشنا ہیں اُن سے مزید مستفید و محظوظ ہوتے ہیں۔

ادب حقیقتاً جمالیاتی ہوتا ہے اور انسان اس کے ہر پہلو سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ گویا ادب بذاتِ خود عروج و زوال کا مظہر ہوتا ہے۔

اس طرح دونوں اعتبار سے یعنی عملی اور جمالیاتی، ادب نقدِ حیات ہے اور سماجی حرکت و عمل کا اظہار بھی، اس طرح تاریخ بھی ادب کی جان ہے۔ فلسفہ، تاریخ، ادب کا وزنی حصّہ ہے۔

ادب کا لطیف حصّہ شاعری اور دیگر اصناف پر مشتمل ہوتا ہے جو حقیقتاً کسی ملّت کی ارتقائی منازل کو سمجھنے میں معاونت کرتا ہے یہی حصّہ کسی ملّت کے ذہنی ارتقاء کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ اس حصّہ کو جاننے اور سمجھنے کے لیے اس ملّت کی تاریخ نیز اس ملّت سے متعلق وسیع معلومات ہونی چاہیئے۔

ادبیات کا اہم ترین حصّہ تخلیقی ادب ہے جس سے مراد زندگی کی تشریح ہے۔ ادبیات میں تین مختلف قوّتیں سرگرمِ عمل رہتی ہیں یعنی قوتِ تصنیف، لذت اندوزی اور قوتِ انتقاد ان میں پہلی دونوں کے بعد انتقاد کا عمل شروع ہوتا ہے۔

شعر و ادب کا مقصد ہمارے اندر حُسن کا احساس پیدا کرتا اور اس کو قائم رکھتا ہے کیوں کہ احساسِ حسن ابدی مسرت کی ضمانت ہے پس ادب کی غایت لذّت و انبساط ہے لٰہذا ادب کو منطق و فلسفہ و مذہب و اخلاق سے جانچنا زیادتی ہے۔

مارکسی نظریہ میں ادب آلۂ نشر و اشاعت ہے اس نظریہ کے پیامبر ادب کو اب آلۂ جنگ بنانے پر تُلے ہوئے ہیں ان کا خیال ہے کہ قلم بکف ادیب اشتراکیوں کے ناقابلِ شکست سپاہی ہیں۔ کم از کم اب تو اس غریب ادب سے توبہ کرلی جائے۔

تاہم ادب برائے ادب بھی ایک مَن کی موج ہے اور امراء کے لئے تفریح کی چیز حالانکہ ادب زندگی کا ایک شعبہ ہے اور زندگی جدلیاتی

حقیقت ہے۔

ادب حال کا آئینہ اور مستقبل کا اشاریہ ہوتا ہے۔ ماحول ادیب کو پیدا کرتا ہے مگر ادیب ماحول کی از سرِ نو تعمیر میں مدد کرتا ہے۔ اس لیے بڑا ادیب وہ ہے جو حال اور مستقبل کو ایک آہنگ بنا کر پیش کرے۔ ادب خالص آلۂ نشر و اشاعت نہیں ہو سکتا اخبارات نشر و اشاعت کا ذریعہ ہیں مگر ان کے ادبی ہونے کا کوئی اقرار نہیں کر سکتا۔

ادب کو اگر زندگی کی تنقید مانا جائے تو پھر یہ صرف حال سے متعلق نہیں ہو سکتا کیوں کہ تنقید کا مقصد تعمیرِ نو ہوتا ہے اور تعمیر نو مستقبل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابلاغ تصنیف و تالیف کے مزاج میں داخل ہے۔ یہی داخلی عمل اُسے سماجی عمل بنا دیتا ہے۔ لہٰذا ادب کو سماج کی تنقید کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ زندہ انسانوں کی تخلیق بیگانۂ حیات نہیں ہو سکتی یعنی حیات و ادب ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ادب شجرِ حیات کا ایک شگوفہ ہے میں کہوں گا کہ ان حضرات نے ایک شگوفہ چھوڑا ہے اور کچھ نہیں۔

ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ادب جب مقاصد کو آگے بڑھانے میں ہاتھ بٹاتا ہے اس میں اس کے اپنے مزاج کا اور لہجہ کا غلبہ رہتا ہے اور جب اس کا لہجہ پھیکا پڑنے لگتا ہے تو ادب ادب نہیں رہتا بلکہ پروپیگنڈا بن جاتا ہے۔

فنکاری

فطرت اپنے حسن کا پورا جلوہ کبھی نہیں دکھاتی اس لئے ہمیشہ

مکمل حُسن کی تشنگی باقی رہتی ہے۔ شاعر، مصوّر، صناع کی حُسن بیں بصیرتِ بہت تیز ہوتی ہے۔ اس حسن بیں بصیرت کے ذریعہ صناع، حسن کے وہ تمام رموز جان لیتا ہے جن سے ہماو شما بیگانہ رہ جاتے ہیں۔

صناع نہ صرف حسین چیزوں کے انفرادی حسن کو دیکھتا ہے بلکہ تمام حسین چیزوں کے درمیان جو فطری تعلق ہے اس کو محسوس کر لیتا ہے۔ تشبیہ و استعارہ کا راز یہی ہے۔

صناع کی پیش کی ہوئی چیز اصل سے زیادہ حسین ہوتی ہے کیوں کہ صناع چھپے ہوئے حسن کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ فنونِ لطیفہ ہمارے روحانی اضطراب کو تسکین دینے کے لئے وجود پذیر ہوئے جس کی تسکین کسی اور صورت سے ممکن نہیں تھی۔ صوفیاء کا بھی یہی نظریہ ہے۔

فنونِ لطیفہ کو عوام الناس کا تصوّف کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ تصوّف زمین کو آسمان پر لے اُٹنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فنونِ لطیفہ آسمان کو زمین پر اُتار لاتے ہیں

تصور عرش پر جاتا ہے جب شاعر کا، لیتی ہیں
جنم تب ماورائی قوتیں افکار کی صورت

فنونِ لطیفہ کا سب سے زیادہ اظہار ہندوستان یعنی برِ صغیر میں ہوا۔ کنفیوشش جسے چین میں پیغمبر مانا جاتا ہے حضرتِ مسیح ﷺ سے چھ سو سال پہلے چین میں اخلاقیات کے ساتھ شاعری اور موسیقی کو تہذیبِ نفس کا بہترین ذریعہ سمجھتا ہے۔ بدھ کے زمانے کی نقاشی اور سنگ تراشی نے یورپ والوں کو قائل کر رکھا ہے۔ "مہا بھارت" اور "رامائن" کی عظمت مسلمہ ہے۔ میگھ دوت اور شکنتلا اپنی داد وصول

کر رہے ہیں۔

ابتدا میں یونان نے فنونِ لطیفہ کو برتا ضرور مگر مانا نہیں۔ سقراط کا قول ہے۔

"کیا جو چیز غیر مرئی ہو اس کی تصویر کبھی کھینچی جا سکتی ہے"

افلاطون کے وقت سے فنونِ لطیفہ پر سنجیدگی سے غور ہوا۔ افلاطون بذاتِ خود فلسفی سے کہیں زیادہ صنّاع تھا۔ حالانکہ بظاہر افلاطون فنونِ لطیفہ کا مخالف نظر آتا ہے مگر ہم اس کو جمالیات کا موجد ماننے کے لئے مجبور بھی ہیں۔

افلاطون کا خیال ہے کہ فنونِ لطیفہ تیسرے درجہ کی نقالی ہے۔ یعنی فنون لطیفہ نقل کی نقل کر کے رہ جاتے ہیں۔ فنونِ لطیفہ انسان کی نہایت ادنیٰ درجے کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں یعنی ان سے صرف حواس ظاہری لذّت اندوز ہوتے ہیں۔ یہ علم میں اضافے کا باعث نہیں۔ فنونِ لطیفہ کا تعلق حِس سے ہے تاہم چونکہ وہ فطری صنّاع ہے اس لیے اس نے حکمت کی وہی تعریف کی جو فنونِ لطیفہ کی ہے۔ اس کے خیال میں حکمت کا کام ترتیب و ترکیب ہے۔

ارسطو کی فکر کے مطابق فنونِ لطیفہ اصل کی نقل ہیں جن میں عمومیت داخل ہوتی ہے۔ یعنی صنّاع کو کلّیات سے سروکار ہوتا ہے جزئیات سے نہیں۔ وہ فنونِ لطیفہ کو تاریخ سے زیادہ قابل قدر سمجھتا ہے۔ نقل و تقلید انسانی خمیر میں ہے اور اس سے نہ صرف یہ کہ ہم کو لذّت ملتی ہے بلکہ علم کی ابتدا اس سے ہوتی ہے۔ نقالی کا مادّہ ہی ہم کو علم عطا کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ارسطو کا نظریۂ المیہ اس کے تصوراتِ جمالیات پر یقیناً لائق توجہ ہے۔ المیہ میں ارسطو نے خیر الامور اوسطہا

کے نظریہ کو قائم رکھا۔

اپیقورس کا نظریہ تھا کھاتے پیتے اور عیش کرتے زندگی کے دن گزار دو۔

بابر بہ عیش کوش کہ دنیا دوبارہ نیست

اپیقورس دراصل ذہنی لذّت کو لذّت سمجھتا تھا۔ اس کی فکر کے مطابق حُسن نام ہے اس تناسب مادی کا جو ہمارے حواس کو بھلا معلوم ہو۔ فنون لطیفہ کاکام اسی حُسن کو پیدا کر کے ہم کو مسرور کرنا ہے۔

اشراقیت کے مطابق جسم پہلے حسن پیدا کرتا ہے۔ حسن ترقی کر کے عقل ہوتی ہے۔ عقل سے روحانیت پیدا ہوتی ہے اور پھر ہماری منزل کبریا ہے۔ اس منزلِ لاہوت تک پہنچنے کی تین راہیں وجدان سے نکلتی ہیں یعنی فنونِ لطیفہ (بالخصوص موسیقی) عشق اور فلسفہ۔

اشراقین فنونِ لطیفہ کو نقالی مانتے ہیں لیکن مجاز کی نہیں بلکہ براہِ راست حقیقت کی۔ مصوّر اور شاعر جب کسی چیز کو ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں تو وہ اپنی اصل مجازی ہئیت سے زیادہ پُرکیف ہوتی ہے۔

فلاطینوس کے مطابق جب تصوّر مادہ پر روح جسم پر اور خیر شر پر غالب ہو تو یہ حسن ہے۔ فنونِ لطیفہ کا موضوع چونکہ حسن ہے اس لیے اس کا تعلق عالم باطن سے ہے۔ شاعر کو باطنی کیفیتیں نظر آتی ہیں اسی بصیرت کا نام شاعری ہے پس فنونِ لطیفہ مظاہر قدرت سے برتر ہیں۔ لیکن بیکن شاعری کو خواب و خیال کی بات مانتا ہے۔

اسپونزا، لائبنز، وولف، بام گارتن وغیرہ فنونِ لطیفہ کو علم و حکمت کی تمہید سمجھتے ہیں۔ وائیکو شاعری کو شعور کے ارتقاء میں

ایک لازمی منزل جانتا ہے جو حُسن کے بعد اور عقل سے پہلے آتی ہے۔ شاعری مشاہدہ کا نتیجہ ہے۔ وائیکو کا خیال ہے کہ جتنی ہی زیادہ عقل کمزور ہوگی اتنا ہی زیادہ تخیّل کمزور ہوگا اس سلسلے میں مقدمہ شعر و شاعری میں حالی کی فکر بھی بہت زیادہ لائقِ توجہ ہے۔

کانٹ کے بقول فنونِ لطیفہ اپنے حسین اسلوب کی بدولت قدرت پر فتح پالیتے ہیں اور مادّہ کو لطیف کر دیتے ہیں۔ شلنگ کہتا ہے کہ حسن میں تشخص پیدا کرنے کا نام فنونِ لطیفہ ہے۔ فنونِ لطیفہ کو آنی و فانی محسوسات سے سروکار نہیں وہ زمانہ دور نہیں جب فنونِ لطیفہ اور فلسفہ مل جل کر حقیقت اولیٰ کی تلاش کریں اور پھر حسن و حقیقت کو پائیں۔ ہیگل کے بقول عالمِ ہست و بود کی روح رواں ایک نفسِ کل یا تصورِ مطلق ہے جب اس کو اپنا وجدانی ادراک ہوتا ہے تو فنونِ لطیفہ وجود میں آتے ہیں۔ یعنی تصورِ مطلق کے اظہار کی پہلی صورت فنونِ لطیفہ ہے۔

شوپنہار کے مطابق شاعر ہونا فلسفی ہونے سے کہیں زیادہ خوش قسمتی ہے۔ فنونِ لطیفہ کو جزئیات سے کوئی سروکار نہیں۔ فنونِ لطیفہ وجدان کے توسط سے زمان و مکان کے جزئیات کی ہیئت کو بدل دیتے ہیں اور اُن کو ہمارے لیے سکون و راحت کا سبب بنا دیتے ہیں اس کا خیال ہے کہ فنونِ لطیفہ ہمیں تھوڑی دیر کے لیے سکون دے سکتے ہیں۔

سنٹیکتس کے مطابق فنونِ لطیفہ کا کام انضباط اور صورت آفرینی ہے۔ بھدّی سے بھدّی اور کریہہ سے کریہہ چیز فنون لطیفہ کا موضوع بن سکتی ہے اگر وہ اس کو صورت دے سکے۔ کروچے کے بقول وجدان، اظہار و صورت آفرینی کے ملکہ کو کہتے ہیں۔ وجدان اور صنّاعی

دو چیزیں نہیں ہیں۔ فنکاری کو نقل یا نقل کی نقل سمجھا جاتا ہے کروچے کا خیال ہے کہ اگر نقل سے مراد یہ ہے کہ شاعر یا مصور مظاہرِ قدرت کو لے کر اپنی وجدانی صورت میں پیش کرتا ہے تو یہ کہنا ٹھیک ہے لیکن اس وقت نقل نقل نہیں رہ جاتی یہ تو فطرت کی معرفت ہو گئی کیوں کہ فطرت کو اس تخئیلی صورت میں پیش کیا گیا ہے جس میں خود فطرت اپنے آپ کو پیش نہ کر سکی اور اگر نقل سے مراد یہ ہے کہ صناعِ قدرت کا عکس بجنسہ رکھ دیتا ہے تو یہ فنکاری پر بہتان ہے۔

کروچے فنونِ لطیفہ کو انسان کی نجات کا بہترین ذریعہ قرار دیتا ہے۔ فنونِ لطیفہ حکمت و فلسفہ کی جڑ ہیں۔ کروچے کے نزدیک فنونِ لطیفہ کو اخلاق یا اعمال سے کوئی تعلق نہیں حسن نام ہے کمال کا۔ اگر ہم حقائق کے پردوں کو چاک کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو فنونِ لطیفہ اور صرف فنونِ لطیفہ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ گویا فنکاری بیک وقت ماضی کی یادگار، حال کا آئینہ اور مستقبل کا اشاریہ ہوتی ہے۔

تنقید

Critiesm انگریزی کا لفظ ہے۔ اس کا ماخذ یونانی لفظ ہے جس کے معنی فیصلہ کرنے کے ہیں۔ اردو میں عام طور سے اس کا ترجمہ تنقید کیا جاتا ہے لیکن زیادہ صحیح لفظ نقد یا انتقاد ہے۔ جس کا مفہوم "پرکھنا"، "جانتا" ہے۔ چنانچہ ابتداً تنقید کے معنی پرکھنے کے تھے یونانی تنقید میں پرکھنے کے معنی اخلاقی اعتبار سے پرکھنے کے تھے۔ نئی تنقید بھی ایک طرح کی پرکھ کو مانتی ہے لیکن اب یہ پرکھ قدروں سے

متعلق ہو گئی ہے ایک نقاد ضامن ہی نہیں ہوتا ذمہ دار بھی ہوتی ہے۔

ادبیات میں تخلیقی ادب سب سے بلند ہے جس سے مراد تشریحِ حیات ہے۔ اس لیے انتقاد کا مدعا یہ ہونا چاہیے کہ ادبیات کی ان صورتوں پر غور کرے جن سے زندگی کی تشریح ہوتی ہے۔

بقول میتھو آرنلڈ انتقاد ایک بے لاگ کوشش ہے اس چیز کے بہترین حصے کو سیکھنے اور نمایاں کرنے کی جو دنیا کے دائرۂ علم سے باہر نہ ہو یعنی آرنلڈ کی مراد صرف زندگی کا مطالعہ اور اس مطالعہ کے مختلف طریقوں اور اسلوبوں پر گفتگو۔

ادبیات میں تین قوتوں کا عمل ہوتا ہے یعنی قوت تصنیف، لذّت اندوزی اور انتقاد۔ پہلی دو قوتوں کے بعد انتقاد کا عمل شروع ہوتا ہے جیسے ہی یہ احساس کسی شخص کو ہوتا ہے کہ ایک سے زائد چیزوں میں سے کسی خاص چیز کو ترجیح دینا چاہیے انتقاد شروع ہو جاتا ہے۔

یوں تو ذوقِ نقد فطری ہے لیکن باقاعدگی سے انسان نے بہت دیر سے برتا اوّلیت کا فخر اہلِ یونان اور بعدہٗ اہل روما کو حاصل ہوا۔ چنانچہ فتح قسطنطنیہ کے بعد یونان اور اہل روم اطالیہ میں آباد ہو گئے۔ علوم و فنون کی کثرت ہوئی اب مختلف دبستانوں کو پرکھنے کی ضرورت ہوئی اور فنِ نقد آگے بڑھا۔

فن انتقاد کے مندرجہ ذیل تین مقاصد ہیں۔

تشریح، حکم، تعینِ مراتب

تشریح میں نقاد مصنف کے حالات کا جائزہ لیتا ہے۔

حکم تنقید کے باب میں بہت اہم ہے ناقد کو ذاتیات سے مبرّا ہونا چاہیے۔

تعینِ مراتب فرائض ناقد میں ہے۔

ادب زندگی کی تنقید ہے۔ وہ حال ہی سے صرف متعلق نہیں کیوں کہ تنقید کا مقصد ہمیشہ تعمیرِ نو ہوتا ہے اور تعمیرِ نو کو مستقبل کی ضرورت۔

تنقید تخلیق ہونے کے باوجود سائنس ہے اس میں باقاعدگی ہے۔ نظم و ضبط ہے۔ ترتیب و تسلسل ہے۔ تنقید تجزیہ ہے۔ تنقید ادب کا بہت اہم شعبہ ہے۔

ٹی۔ایس ایلیٹ ادب اور تنقید میں روایت کی اہمیت کا قائل ہے کیوں کہ تجربات کی عمارتیں روایات کی زمین پر تعمیر ہوتی ہیں۔

ابلاغ، تصنیف و تالیف کے مزاج میں داخل ہے یہی داخلی عنصر اُسے سماجی عمل بنا دیتا ہے۔ لہٰذا ادب کو سماج کی تنقید کا پورا پورا حق حاصل ہوتا ہے۔

اصولِ تنقید کو سامنے رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک نقاد کو وہ سب تو جاننا ہی چاہیے جو فنکار جانتا ہے مگر اس کے علاوہ بھی بہت کچھ جاننا چاہیے گویا ایک مکمل نقاد کا وجود بظاہر ممکن نہیں۔

تنقید کے باب میں ارسطو کے نظریات

اہلِ یونان شاعری کو نقل مانتے ہیں۔ اس لیے نقل کے مندرجہ ذیل ہی موضوع ہو سکتے ہیں۔

(۱) یا تو چیزوں کو اس طرح پیش کرے جیسی وہ تھیں یا ہیں۔
(۲) یا جیسی وہ سمجھی یا بیان کی جاتی ہیں۔
(۳) یا جیسا انھیں ہونا چاہیے۔

شاعری میں غلطی صرف دو طرح کی ہو سکتی ہے یا تو (۱) اصلی یا (۲) اتفاقی۔

اصلی غلطی: اصلی غلطی یہ ہے کہ نقل کرنے کی تمیز نہ ہو اور نقل کرے جیسے ایک شخص نے اونٹ نہ دیکھا ہو اور اونٹ کی صوتی شبیہ کھینچے تو پھر یہ "ٹیڑھی کھیر" ہوگی۔ ویسے مصوری پر بھی اس کا اطلاق ہوگا۔

اتفاقی غلطی: اتفاقی غلطی یہ ہے کہ جانتا تو ہے مگر ذرا چوک ہو گئی۔

ناقد کا کام یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ غلطی کا اثر فن پارے پر مجموعی طور پر پڑتا ہے یا جزئی طور پر فن متاثر ہوا ہے۔

ویسے زبان کی صحت اور محاوروں کے برمحل استعمال سے فن میں جان آتی ہے۔ اس لیے زبان کی غلطی نظرانداز نہیں کی جا سکتی۔ ایک بات واضح کر دوں کہ ایک شاعر ایک بہت اچھی نظم مشاعرے میں پڑھ رہا ہے ایک لفظ غلط صرف ہو گیا اب پوری نظم متاثر ہو جائے گی اور سامعین کی توجہ اصل نظم سے ہٹ کر مذکورہ لفظ پر جم جائے گی۔

اس سلسلے میں ناقدین کو بھی خیال رکھنا چاہیے کہ شاعر کا مدعا کیا ہے۔ تنقیص کو اپنی فکر کے مطابق نہ پیدا کرنا چاہئے۔

شاعری میں ناممکنات سے گریز کرنا چاہیے تاہم مندرجہ ذیل موقعوں پر یہ جائز ہے۔

(۱) اگر اس سے واقعات جیسے ہیں اس سے بہتر معلوم ہوں۔ (۲) ان سے مقصدِ شاعری حاصل ہو (۳) رائے عامہ بھی تسلیم کرے۔

تنقید میں منطقی حجت بہت اہم ہے۔ اگر خلافِ قیاس واقعات یا بیہودہ اطوار ہوں تو بیشک اعتراض کیا جائے۔

مندرجہ بالا امور سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اعتراضات کی بنیادیں مندرجہ ذیل پانچ ہیں۔

(۱) کسی واقعہ کو ناممکن قرار دینا، (۲) خلافِ قیاس، (۳) مخربِ اخلاق (۴) تضاد، (۵) فنی غلطی

انتقادیات کی بہت ساری اقسام دکانیں چمکانے کے لیے گڑھ لی گئیں لیکن ان سب میں سے صرف عمرانی تنقید ہی دراصل تنقید ہے اور جس کی ضرورت ثابت ہے۔ اردو ادب میں تنقید کے عناصر اپنی ابتداء سے موجود ہیں جس کی دلیل تذکرے، سخن فہمی، اساتذہ کی اصلاحیں ہیں اس دور میں زیادہ تر ادب برائے ادب کا نظریہ کار فرما ہے کچھ شہر آشوب وغیرہ کو چھوڑ کر یا خطوط غالب، تاہم سرسیّد سے اردو ادب اور خصوصاً نثر نگاری ایک نئے دور میں داخل ہوئی حالی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ادب برائے زندگی پر توجہ دی لیکن وہ ادب میں روایات و تجربات کے منکر نہیں۔ انھوں نے اردو تنقید میں نئے تجربات کیے جو بذاتِ خود روایات بن گئے۔ حالی کے زمانے سے ہی انسانی زندگی کی نئی قدریں متعین ہو رہی تھیں۔ ایجادات نئے خیالات کا باعث بن رہی تھیں۔ چنانچہ اردو ادب میں سب سے پہلے اس خیال کا اظہار حالی نے ہی کیا کہ خیال بغیر مادّے کے پیدا نہیں ہوتا یہ ایک بڑی بات تھی جس سے زندگی پر چھائے ہوئے عینیت اور تصوریت کے بادل چھٹنے لگے حالی ادب کو تفریح نہیں مقصد سمجھتے ہیں جو افادی ہو تاہم وہ جمالیاتی پہلو سے انکار نہیں کرتے یہی ادب کی تنقید کا وہ پہلو ہے جسے عمرانی تنقید کہا جاتا ہے۔ عمرانی تنقید اور مارکسی تنقید میں حالانکہ بہت مماثلت ہے تاہم یہ فرق کچھ کم نہیں کہ عمرانی تنقید میں

ادب برائے زندگی ہوتا ہے اور جدلیاتی مادیت میں ادب برائے نشرو اشاعت یا پروپیگنڈا۔

مختصراً انتقادیات کا مفہوم و مقصود و مطلوب صرف اور صرف وہی ہے جسے میں اپنی کتاب "بیوت الجناں" میں عرض کر چکا ہوں یعنی ایک نقشہ نویس (آرکیٹکٹ) ایک قابلِ دید عمارت کا نقشہ بناتا ہے، عمارت تعمیر ہوتی ہے، ایک صاحبِ نظر دیکھتا ہے پسند کرتا ہے، بعض پہلو اگر اس کی نگاہ میں تشنہ معلوم ہوتے ہیں تو ان کی نشاندہی کرتا ہے، ایک دوسرا نقشہ نویس دیکھتا ہے پسند کرتا ہے بعض اور نئے پہلو اسی تعمیر کے سوچتا ہے اور اس سوچے ہوئے پہلوؤں پر ایک نئی عمارت کا نقشہ بناتا ہے۔ گویا روایت سے جدّت جنم لے رہی ہے یہ سلسلہ پتھروں کے دور سے جاری ہے اور جاری رہے گا۔

اس پس منظر میں بعض قارئین کی "مآثر" اور "بیوت الجناں" سے متعلق آراء آپ کی نذر ہیں۔

O

نقد و نظر کے نام سے آیا نظر مجھے
ہر شخص اپنے ہاتھ میں پتھر لئے ہوئے

O

تنقید سے ناقد کی عیاں ہوتا ہے جوہر
آئینہ کسی شخص کا بدخواہ نہیں ہے

نوٹ: اس آئینے میں جو دوست کتاب "لکھی آن لکھی" پڑھ چکے ہیں ان سے مذکورہ کتاب کو دوبارہ پڑھنے کی درخواست کر رہا ہوں۔

"مآثر" اور "بیوت الجناں"

پر

دانشوروں، قارئین اور جرائد کا تبصرہ

از روز نامہ "حریت" بابت ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۵ء

حمدِ باری تعالیٰ، نعتِ سرورِ کائنات رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، سلام اور منقبت مشکل ترین مرحلے ہیں جن میں پورا پورا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ وہ اپنی حدود سے تجاوز نہ کرنے پائیں یعنی سلام و منقبت محبت و عقیدت میں نعت سے تجاوز نہ کریں اس لئے کہ ایک امام اور ولی کا درجہ نبوت سے کبھی نہیں بڑھ سکتا اسی طرح نبی ﷺ کی ذاتِ اقدس، اللہ کی ذاتِ اقدس اور اللہ کے اختیاراتِ کلی پر حاوی نہیں آسکتی اور اگر کوئی ایسی جرأت کرتا ہے تو وہ گمراہی کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے۔ جہاں تک محترم رفیق رضوی کا تعلق ہے رفیق رضوی صاحب نے کبھی اصولوں سے انحراف نہیں کیا اپنی وضع قطع پر شروع سے قائم ہیں اخلاقی اقدار کے حامل ہونے کے ساتھ اہلبیتِ اطہار سے سچی عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور اس عقیدت و محبت کی راہ میں کبھی کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہونے دیتے یہ ان کی سچی عقیدت کا کمال ہے کہ "بیوت الجنان" اور "مآثر" کے نام سے دو مجموعے اس سال ۱۹۹۵ء میں معرضِ وجود میں آگئے جس طرح تبلیغ و اصلاح کے لئے جہاد کے جذبے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح دینی ہستیوں سے محبت کے لئے جہاد کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور اس جذبۂ محبت کو منظم کرنے کے لئے مسلسل جدوجہد کرنا پڑتی ہے اس لئے کہ اس کی تکمیل کے بعد جو سکون کی دولت ملتی ہے وہ کہیں سے خریدی نہیں جاتی۔ ویسے تخلیقی عمل بڑی پیچیدہ چیز ہے یہ انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی اس میں شعور، لاشعور اور تحت الشعور کو

یکساں دخل ہوتا ہے اس میں فرد کی اپنی ذات بھی ہوتی ہے اور معاشرہ اور ثقافت بھی۔ شاعری اختیاری بھی ہے اور مجبوری بھی جہاں تک شاعری کا تعلق ہے شاعری شاعر کے لئے اتنی ہی فطری ہے جتنا درخت پر پتوں، پھلوں اور پودوں پر پھولوں کا پھوٹنا فطری ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ رفیق رضوی ایسے شاعر ہیں جو اپنے مذہب و عقیدے سے فطری لگاؤ رکھتے ہیں اور ان کتابوں کی اشاعت اسی فطری جذبے کا نتیجہ ہیں۔

رفیق رضوی شہرت سے بے نیاز ادبی گروہ بندی سے الگ تھلگ، اپنے دل کی بادشاہی میں مگن دنیاوی مفادات کے حصول سے بے نیاز ایسی دنیا کا آئینہ دار ہے جہاں وہ سکون سے بیٹھ کر زندگی میں جو گزر چکا ہے اور آنے والے مسائل پر گفتگو اور آشوب آگہی کو گرفت میں لے سکے۔ رفیق رضوی کی شاعری نے قیامِ پاکستان کے بعد آنکھیں کھولیں لیکن ایک طرح یہ خوش قسمت شاعر ہے کہ اس کی پرورش علامہ محسن اعظم گڑھی جیسے قادر الکلام کے ہاتھوں سرانجام پائی اس طرح یہ ایک علمی و ادبی گھرانے کے خانوادہ بھی ہے انھیں لفظوں کا استعمال آتا ہے ان کے کلام کے مطالعہ سے اہلبیت سے سچی عقیدت کا پہلو نکلتا ہے اور ان کو جو تربیّت ملی ہے اس کی روشنی میں بآسانی کہا جاسکتا ہے کہ لفظوں کی مزاج دانی اور زبان کو استعمال کرنے کا طریقہ ورثے میں ملا ہے لیکن جس صنف شاعری میں انھوں نے قدم رکھا ہے اس میں گزشتہ شعرائے کرام نے کچھ باقی نہیں چھوڑا ہے لیکن ہماری شاعری میں مضمون آفرینی کو بڑی اہمیت ہے پرانے مضمون سے نئے مضمون پیدا کرنا اور نیا گوشہ روشن کرنا کمال فن ہے لوگوں کا یہ خیال

غلط ہے کہ مضمون آفرینی کسی مضمون سے بچ کر دوسرا مضمون تلاش کرنا ہے اور ایسے گوشہ کو ابھارنا ہے جو اب تک ہماری آنکھ سے اوجھل تھا جس طرح سیرت پر ریسرچ کرنے والوں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ سیرتِ پاک کے چھپے ہوئے گوشوں کو اجالے میں لائیں اسی طرح اہلبیت کرام سے عقیدت و محبت رکھنے والوں کا فرض ہے کہ وہ اہلبیتِ اطہار کے ان گوشوں کو جو عالمِ انسانیت کے لئے ضروری ہیں اجاگر کریں کیوں کہ یہ ہستیاں اس سے تعلق رکھتی ہیں کہ جس کے متعلق حدیث ہے کہ "میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کتاب اللہ اور اپنی اہلبیت" اور قرآن کے متعلق غیر مسلموں نے کہا ہے کہ قرآن پاک محض مذہب کا دل اور خدائی حکومت کا راستہ دکھانے والی کتاب نہیں بلکہ یہ سائنس اور سیاسی دستاویز کا شاندار مجموعہ ہے۔ جس میں زمین پر خدائی حکومت کی تشکیل کے لئے قوانین درج ہیں۔ (پروفیسر پی کے ہیٹی)

قرآن فصاحت و بلاغت مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے روم کے عیسائیوں کو جو ضلالت میں گر پڑے تھے صرف اس آواز نے نکالا جو غارِ حرا سے نکلی تھی۔ (ڈاکٹر موریس)

اسلام کے قانون کے بعض حصّوں پر انگلینڈ میں بھی عمل شروع ہو چکا ہے خصوصاً عورت اور جائیداد کے معاملے میں۔ (مسٹر اینی بنٹ)

ہمیں چاہئے کہ اسلام کی سرعت ترقی اور نہ مٹنے والے اثرات کی قدر کریں جو ہر جگہ امن و امان، دولت و حشمت اور فرح و سرور

اپنے ساتھ لے گیا۔ (مسٹر ایس پی اسکاٹ)

بے عیب اور نقائص سے منزہ ہستی کی اولاد جس سے وہ ہستیِ مقدس پیار کرتی تھی کی مدح معمولی کام نہیں ہے اس خارزار میں قدم رکھنا بڑی عالی ہمتی کا کام ہے کسی تاریخی مواد کو یہ شرف حاصل نہیں جو کربلا کو ہے لیکن کربلا والوں کے اعمال و کردار اور ان گوشوں کی عکاسی کرنا کوئی معموں کھیل نہیں ہے ان میں ہر ایک کا مرتبہ جدا ہے۔

قاری کو حق ہے کہ وہ ان کا کلام پڑھ کر اپنی رائے قائم کرے اور قاری کو اس کے حق سے کوئی نہیں روک سکتا حتیٰ کہ نقاد بھی نہیں۔

از ہفت روزہ "پنچ لوک" کراچی بابت ۳۰ نومبر ۱۹۹۵ء

برادرم جناب مولانا فرید شمسی صاحب زادت افادتہٗ

علامہ شفیق رضوی کے بڑے بھائی محترم رفیق رضوی کی ذات اس شہر کے ادبی حلقوں کے لئے محتاج تعارف نہیں ہے۔ ان کا تعلق اعظم گڑھ (یوپی) کے ایک علمی ادبی گھرانے سے ہے جو نبی و آل نبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی محبت میں سرشاری کے لئے شہرت رکھتا ہے۔ ان کے جد امجد حضرت ڈلر شہید رحمتہ اللہ علیہ ایران سے یہاں آکر آباد ہوئے تھے اور انھیں حکومت وقت کی جانب سے بارہ مواضعات پر مشتمل ایک چھوٹی سی جاگیر عطا کی گئی تھی۔ رفیق رضوی صاحب کے چچا حضرت محسن اعظم گڑھی کا شمار بھی برصغیر کے معروف شعراء میں ہوتا ہے جن کی عظمت کا اعتراف جوش ملیح آبادی جیسی شخصیت نے بھی کیا ہے۔ خوش قسمتی سے مجھے حضرت محسن اعظم گڑھی سے اکثر ملاقات کا شرف حاصل رہا ہے اور جوش صاحب کے حضرت محسن کے

نام نیاز مندانہ خطوط دیکھنے کا اتفاق بھی ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کی تربیت اس ماحول میں ہوئی ہو اس میں وہ شاعرانہ جوہر پیدا ہونا فطری بات ہے۔

رفیق رضوی ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ مگر منکسر المزاج، بامروت، دیانتدار، صاف گو اور درویش صفت انسان ہیں۔ اخلاق ایسا کہ جو قریب آیا ان کا گرویدہ ہو گیا۔ تقریباً چالیس سال سے مشقِ سخن فرما رہے ہیں لیکن نام و نمود سے بے پروائی اور موجودہ دور کے شہرت کے حصول کے لئے ہتھکنڈوں سے نفرت کی بناء پر انھیں وہ مقام نہیں مل سکا جس کے وہ صحیح معنوں میں مستحق ہیں۔ خود میرے علم میں ہے کہ اس شہر کے بہت سے معروف ادیب و شاعر ان سے باقاعدہ اصلاح اور مشورۂ سخن کرتے ہیں لیکن ان کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ خود اعلان نہیں کرتے۔

رضوی صاحب کی یہ دونوں کتابیں ("مآثر" اور "بیوت الجنان") بھی ان کی افتادِ طبع کی بناء پر شاید منظرِ عام پر نہ آتیں اگر علامہ شفیق رضوی (موصوف کے برادرِ خورد) اور چند مخلص احباب ان کے شائع کرانے پر زور نہ دیتے۔ یہ دونوں کتابیں اصل میں ان کے مجموعۂ کلام ہیں اور اس ذخیرۂ سخن کا کچھ حصّہ ہیں جو ایک طویل عرصہ کی کاوش ہیں۔

میں نے ان دونوں کتب کا بغور مطالعہ کیا ہے اور یہ بات پوری دیانتداری سے عرض کر رہا ہوں کہ رفیق رضوی کی شاعری میں آورد کہیں نہیں ہے۔ یہ دل سے نکلے ہوئے جذبات ہیں جو قاری کے دل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ انھوں نے مختلف اصنافِ سخن مثلاً حمد، نعت، منقبت، قصیدہ، سلام، غزل اور قطعات غرض سبھی میں خوب

خوب جوہر دکھائے ہیں جو ان کی قادر الکلامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔
اس کے علاوہ مشکل بحروں اور سنگلاخ زمینوں میں شگفتہ اشعار کہنا ہر شاعر کے بس کا کام نہیں ہے جو کہنہ مشقی کی دلیل ہے۔
رفیق رضوی کے کلام کی ایک نمایاں خصوصیت ان کا ذخیرہ الفاظ ہے جو انھیں اپنے ہم عصروں میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام کا حامل بناتا ہے۔
ان کے کلام میں ایسی برجستہ مصرعوں کی کثرت ہے جو ضرب المثل بننے کے قابل ہیں۔ افسوس ہے کہ میں اس مختصر جریدے میں ان کے اشعار اور مثالیں دینے سے قاصر ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ مطالعہ کے بعد ہر قاری کے یہی جذبات ہوں گے۔
حُبِّ اہلِ بیت میں اب تک بہت کچھ کہا گیا ہے اور کوئی موضوع ایسا نہیں ہے جو تشنہ رہ گیا ہو لیکن رفیق رضوی کے اندازِ بیان نے ان موضوعات میں اک اچھوتا پن پیدا کر دیا ہے جو ان کی جدّتِ طبع اور وسیع مطالعہ کی نشاندہی کرتا ہے جس میں عقیدت کی سچائی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔
اسی اظہارِ عقیدت کی بناء پر رفیق رضوی نے جب اپنے یہ دونوں مجموعہ کلام ("ماثر" اور "بیوت الجناں") امام علی رضا علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں بھیجے تو آستانۂ قدس سے ان کے نام قبولیت کی سند عطا کی گئی جس پر مہر مبارک ثبت تھی اور یہ وہ اعزاز ہے جو پاکستان میں شاید ہی کسی شاعر کو ملا ہو خوش قسمتی سے یہ سند مجھے بھی دیکھنے کا شرف حاصل ہے۔
مجھے پورا یقین ہے کہ ان کی یہ دونوں کتابیں نہ صرف ادبی حلقوں میں پذیرائی حاصل کریں گی بلکہ عوام میں بھی مقبول ہوں گی۔

محترم جناب سیّد ساجد عباس رضوی صاحب
(بی ایس سی، ایم اے، ایم ایڈ)

کسی علمی و ادبی کتاب پر نقد و تبصرہ بہت زیادہ مشکل نہیں لیکن ایسی کتاب اور وہ بھی اشعار کی صورت میں جس کا تعلق محمد ﷺ و آل محمد ﷺ کے حضور نذرانۂ عقیدت سے ہو، کے بارے میں کچھ کہنا بہت ہی مشکل کام ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں ذرا سی خیانت بھی گویا عبادت میں خیانت کے مترادف ہے اس لئے کہ ذکرِ محمد ﷺ و آل محمد ﷺ عبادت ہے۔ حدیثِ پاک موجود ہے کہ "جب حسان ہماری مدح کرتے ہیں تو جبرائیل علیہ السلام ان کی مدد کرتے ہیں۔" اس صورت میں راقم الحروف اپنی کم علمی کو مدِ نظر رکھ کر اس مذہبی کلام کی فنِ شاعری اور تکنیکی حیثیت سے تبصرہ کرنے سے قاصر ہے البتہ عقیدتاً کچھ پیش کیا جاسکتا ہے۔ ایک بات ضرور کہیں گے کہ مثال کے طور پر رئیس امروہوی صاحب بلند پایہ شاعر تو تھے ہی لیکن ان کی یہ خصوصیت سونے پر سہاگہ تھی کہ وہ فنِ شاعری اور اس کے تکنیکی پہلوؤں سے بھی واقف تھے اور ہمارے بزرگوار جناب رفیق رضوی صاحب بھی ایک جانب "ماثر" جیسے شعری مجموعے سے دل کی عمیق گہرائیوں میں اپنے اثرات کو اتار دیتے ہیں تو دوسری جانب فنِ شاعری کے اصولوں سے واقف اور اردو لُغت پر کافی عبور رکھتے ہیں۔

کراچی کے ناگفتہ بہ حالات کے باوجود میں کشاں کشاں اپنے ماموں جناب سیّد رئیس رضا صاحب کے ہمراہ جو علمی، ادبی اور خصوصاً دینی ذوق رکھتے ہیں، کے ہمراہ ایک شب جناب رفیق رضوی صاحب

کی خدمت میں حاضر ہوا تو جناب نے ہمیں اپنی کتب "مآثر" اور "بیوت الجناں" عنایت فرمائیں۔ میں نے گھر آکر تقریباً بارہ بجے شب "مآثر" کا مطالعہ شروع کیا۔ ایک طرف تو میں اس کے مطالعہ میں غرق تھا تو دوسرے میں ربیع الاول کے سبب کسی "نعت" کی تلاش میں تھا تاکہ ایک دو جگہ نعت خوانی کا شرف حاصل کر سکوں جہاں میں اس سلسلہ میں مدعو تھا۔ صفحہ ۳۴ پر ایک نعت جس کا پہلا مصرعہ "رنگ میں، بُو میں، جذب میں، حسن میں، دلکشی میں ہو" منتخب کی۔ یقیناً اس کتاب کی ایسی روحانی تاثیر تھی جسے میں ہرگز ہرگز الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا بس محسوس کر رہا تھا اور میں اذانِ صبح تک اسے پڑھتا رہا اور آخر اس کتاب کے چودہ معصومینؑ کے منظوم ذکر کو بلکہ ذکرِ عبادت کو بالآخر نمازِ فجر سے منسلک کر دیا۔ میں سوچنے لگا کہ شاعرِ اہلبیت کا مقام کس قدر بلند ہے حُبِ اہلبیت میں انتقال کرنے والا شہید ہے اور شہید ہمیشہ زندہ رہتا ہے، شاعرِ اہلبیت کی ہمیشہ زندگی کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ اس کا کلام زبان بہ زبان، سینہ بہ سینہ صدیوں گونجتا رہتا ہے میں سوچنے لگا کہ عقیدے اور عقیدت کی یہ کیسی منزل ہے جہاں موت واقع نہیں ہوتی۔ پاک کلام اور طاہر خیالات کا یہ سفر ہمیشہ جاری رہتا ہے اور زادِ آخرت بھی ایسا کہ بقولے امام رضا علیہ السلام کہ جو محمد ﷺ و آل محمد ﷺ کی تعریف میں ایک بیت کہے گا تو اسے جنت الفردوس میں ایک بیت ملے گا اور میں سمجھتا ہوں کہ "بیوت الجناں" کے شاعر آخر اس بیت سے کیسے محروم رہ سکتے ہیں۔ بے حُبِ اہلبیت عبادت حرام ہے اسی طرح ایسے کلام کو پڑھنے کے لئے بھی حُبِ اہلبیت لازمی ہے یہ الگ بات

ہے کہ الگ الگ پیمانہ ہے۔ اس کوثری مے کو کون کتنا پیتا ہے یہ اپنا اپنا "ظرف" ہے۔

تذکرہ اس بات کا تھا کہ میں نے رضوی صاحب کی کتاب سے نعت تو منتخب کر لی لیکن میں سخت بیمار پڑ گیا اور ایسی تکلیف میں مبتلا ہو گیا کہ بیٹھنا بھی دوبھر ہو گیا۔ اس وقت میں نے اپنے کرم فرما جناب حنیف صاحب کو اپنا اور خانوادہ کے پاسپورٹ بھی دیئے تھے اور ارادہ تھا کہ ایران اور عراق کی زیارات کا شرف حاصل کروں لیکن تکلیف اتنی بڑھی کہ ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ آخر کار شبِ جمعہ میں نے زیارت وارثؑ پڑھتے ہوئے رخساروں پر بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ گڑگڑا کر دعا کی کہ میں میلاد النبیﷺ میں پڑھ سکوں اور عنقریب کربلا جا سکوں۔ دوسرے روز میں طبیعت کی خرابی کے باوجود رفیق رضوی صاحب کی نعت پڑھ رہا تھا اور جب یہ شعر پڑھا تو دل سے اپنی صحت کے لئے بھی دعا کر رہا تھا

"مجھ کو کسی کا کیا خطر، میرے لئے بہت کہ تم
میرے غم و الم میں ہو، میری ہنسی خوشی میں ہو

اس محفلِ پُرنور میں شریک محبانِ اہلبیت نے بھی میرے لئے دعا کی۔ میں گھر آکر سو گیا اور جب صبح اٹھا تو میری ساری بیماری اور تکلیف معجزانہ طور سے دور ہو چکی تھی اور جب میں نے اپنی خانم سے کہا کہ میں ایک خوشخبری سناؤں تو ان کے لبوں پر بے ساختہ جملہ آیا "کیا کربلا جانے کا پھر ارادہ کر لیا" غرض یہ کہ پھر میں نے ایران و عراق کی زیارات کا شرف حاصل کیا اور جب مشہدِ مقدس روضہ امام رضاؑ میں آستانِ قدسِ رضوی کے ثقافتی امور کے دفتر و لائبریری

میں جا کر آقائے دہقان زادے (نگراں) کو جناب رفیق رضوی کے دونوں شعری مجموعے آستانِ قدس کے لئے پیش کئے تو اس کے جواب میں رضوی صاحب کے لئے اس آستانہ سے تحفتاً جو کتاب عطا ہوئی وہ امام زین العابدینؑ کی دعاؤں کی خوبصورت مطبوعہ کتاب "صحیفہ سجادیہ" تھی۔

غرض یہ کہ عقائد اور عقیدتوں کی دنیا کا حال وہی لوگ جان سکتے ہیں جو اس کے باشندے ہیں۔ رفیق رضوی صاحب کی اہلبیت سے عقیدت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ وہ ایل ایل بی ہو کر بھی اس باطل پرست دنیا میں ہما شما کا وکیل ہونا پسند نہیں کرتے بلکہ اہلبیت کا وکیل ہونا سعادت سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ شعر؎

اگر یزید کو تسلیم آدمی کیجے

تو پھر بتانا پڑے گا کہ آدمی کیا ہے

گویا اس شعر میں انھوں نے اس مقدّمے کی کامیاب پیروی کی ہے کہ یزید کو دلائل و شواہد کی روشنی میں آدمی تسلیم نہیں کیا جا سکتا ایک اور جگہ وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ اگر "نیکی کا شعور" آدمی میں ہے تو پھر

تم کو رسول مان لے، تم سے کرم کا جام لے

یعنی شعورِ نیک و بد اتنا تو آدمی میں ہو

وہ ایسے وکیل ہیں کہ قانونِ خداوندی سے سرتابی کے خیال کو بھی گناہ سمجھتے ہیں؎

آیۂ تطہیر کی موجودگی میں یا علیؑ

ہو گنہ کی تجھ سے نسبت، سوچنا بھی یہ گناہ

رضوی صاحب کو ایک بات دوسرے شاعروں سے منفرد قرار دیتی ہے کہ حمد اور نعتوں کی تعداد کی نسبت زیادہ ہے اس طرح شاید میری نظر سے کسی شاعر کا دیوان نہیں گزرا جس میں اس بڑے تناسب سے حمد و نعت کو جگہ دی گئی ہو۔ آخر میں یہ کہوں گا کہ ہماری یہ دعا قبول ہو ہی گئی ہے کہ پروردگار ان کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ باقی رکھے اس لئے کہ وہ اپنے کلامِ پُر نور کے ساتھ ہر دور میں زندہ و تابندہ رہیں گے۔

احقر

سیّد ساجد عباس

نوٹ: عزیزم سیّد ساجد عباس رضوی صاحب سلمہ بی ایس سی، ایم اے، ایم ایڈ کو میں نے دونوں کتابوں کی ایک ایک جلد بارگاہِ امامِ علی رضا علیہ السلام میں پیش کرنے کو دیں بعدہٗ وہ اس درجہ علیل ہو گئے کہ سفر ممکن نہ تھا لیکن آناً فاناً (راتوں رات) وہ صحت یاب ہوئے اور بارگاہ مولا میں پہنچے عجیب محیر العقول واقعات پیش آئے اُن کا سفر نامہ زیرِ طبع ہے اگر اس کتاب سے پہلے چھپ گیا تو متعلقہ صفحات اس کتاب کی زینت ہوں گے۔

مختصر یہ کہ ساجد عباس صاحب سلمہٗ نے دونوں کتابیں "آستانۂ قدس" پر نذر کیں جن کی قبولیت کی دلیل یہ ہے کہ "آستانۂ قدس" سے بنام ہر دو جانب مہر شدہ صحیفۂ سجادیہ اس کم علم کے لئے بطور "انعام" اُن کے حوالہ کیا گیا۔ یہ متبرک انعام جو میری عاقبت کی سند ہے۔ ۱۳ نومبر ۹۵ء کو ناچیز تک پہنچا کتاب ملتے ہی دل نے آواز دی

رضوی مبارک ہو تو تو انعام یافتۂ بارگاہِ امام علی رضا علیہ السلام ہے۔

قارئین کی معلومات میں اضافہ کے لئے لکھ رہا ہوں کہ محترمہ

جناب خیر النساء صاحبہ ذاکرۂ حسین غریب علیہ السلام، شاعرہ، بیوہ جناب سیّد مقبول حسین رضوی صاحب مرحوم والدہ جناب طاہر امام صاحب سلمہٗ جن کے خیالات اور انکشافات اس کتاب میں موجود ہیں۔ یہ انتہائی ذی علم خاتون ہیں۔ ۱۳ نومبر ۹۵ء کو مولا کا انعام ملا غالباً ۱۶ نومبر ۹۵ء کو ۱۱ بجے شب محترمہ کے داماد اور میرے بھتیجے کلبِ حسن صاحب سلمہٗ کا فون آیا کہ محترمہ مجھ سے مخاطب ہونا چاہتی ہیں بعد ادب آداب کے میری کتابوں کی تعریف کرتے ہوئے ملاقات کی خواہش ظاہر کی (یہ عرض کر دوں کہ رشتہ داری کے باوجود ہم قطعی اجنبی تھے) بہرحال دوسرے دن ملاقات ہوئی مولا کا عطا کردہ خلعت (اس کی تفصیل محترمہ کے تاثرات میں ملاحظہ فرمائیں) کو پہن کر آپ نے مجھ سے مخاطبت کی بہت دیر بعد جب چلنے لگا تو آپ نے ایک جوڑا مع رومال جس میں ایک رقم محفوظ تھی مجھے دینا چاہا میں سخت پس و پیش میں پڑ گیا آپ نے فرمایا یہ نذر امام علی رضا علیہ السلام ہے۔

سبحان اللہ میرے مولا نے انعام بدستِ غلامِ قنبر اور خلعت مع تمام لاحقہ کنیز جناب فضہ کے ہاتھوں مرحمت فرمایا۔

درِ حیدرؑ سے مجھ کو ربط ہے اس ربطِ باہم پر
اگر میں فخر کر بیٹھوں مجھے مغرور مت کہنا

بعدہٗ اس انعام سے کئی متحیر کُن واقعات وقوع پذیر ہوئے جن کو بہ لحاظِ طوالت قلمبند نہیں کر رہا ہوں۔

برادرِ معظّم جناب سیّد وحید الحسن ہاشمی صاحب

ذاتی خط۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۹۵ء

برادرم تسلیم۔ میری بد قسمتی کہ میں اپنے محبوب بھائی محبوب دوست اور محبوب شاعر سے ملنے کی تمنا رکھنے کے باوجود نہیں مل سکتا۔ لاہور میں رہ کر امیدوں کی قبر کا مجاور بنا ہوا ہوں اور جب کراچی جاتا ہوں تو میرے بال و پر کاٹ کر مجھے قفس میں بند کر دیا جاتا ہے ہر حالت کا ایک ہی نتیجہ ہے کہ میں اپنے پیارے دوست سے نہ مل سکوں۔ کئی بار کوشش کی کہ آپ تک پہنچوں مگر پہنچائے کون جس سے کہتا ہوں وہ کترا کے اِدھر سے اُدھر نکل جاتا ہے شاید میری قسمت میں دیدارِ یار نہیں۔ اچھا یہاں نہ سہی وہاں سہی۔

اپنی کوتاہئ قسمت، ناکامئ مقدر اور زبوں حالی پر رو رہا تھا کہ باقر سلمہٗ نے آپ کی دو کتابیں دیں۔ ان دونوں کتابوں کو دیکھ کر درد میں کمی آئی چہرے پر خوشی کے آثار نظر آئے آئینہ دیکھا واقعی چہرہ پر انبساط تھا اب جو کتابوں کے اندر نظر ڈالی تو دھاڑیں مار کر رونے لگا دل نے کہا اتنا نفیس شاعر اتنا پھوہڑ اس کی شاعری کی لاش جس طرح پامال کی گئی خدا کسی شاعر کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرے اتنا زرِ کثیر خرچ کرنے کے بعد اس کا یہ مال ڈیڑھ سو کتابت کی غلطیاں ان دونوں کتابوں میں موجود سلاموں کے اشعار یوں دربدر تحریر ہوئے ہیں کہ ایک شعر یہاں تو چار شعر کہیں اور اشعار کے اطراف و جوانب کا پتہ ہی نہیں ایک شعر مشرق سے مغرب کی سمت ہے تو دوسرا شمال سے جنوب کی طرف۔ مرثیے میں قصیدہ قصیدے میں مثنوی، مثنوی میں سلام، سلام میں غزل، غزل میں رباعی، رباعی میں قطعہ، قطعہ میں تضمین، تضمین میں فردیات یہ نہ دیوان ہے نہ کلیات بلکہ صاف چڑیا گھر ہے۔

ارے یہ کن لوگوں نے اتنے بڑے غزل گو کا تیا پانچہ کر دیا ہلئے یہ کن دوستوں نے اتنے عظیم قصیدہ نگار کے اشعار کا بھرتا نکال دیا۔ نہ جانے وہ کون دشمن الشعرا تھا جس نے میرے پیارے سلام نگار سے اپنی ساری عمر کی دشمنی کا بدلہ لے لیا اے میرے خدا وہ کون دوست نما دشمن تھا جس نے میرے محبوب مرثیہ نگار کے فن پر ضرب کاری لگادی۔

جب میں اپنے دلبر رفیق رضوی کے دیوان میں یہ مصرعے دیکھتا ہوں تو فوراً میرے دل میں یہ خیال تیرنے لگتا ہے کہ میرا بھائی میرا دوست میرا پیارا شاید بدست مردہ زندہ ہے۔

چُپکے سے کون بزمِ تخئیل میں آگیا

اور وہ تلاشکرتے ہیں میرے مزار کو

دنیا والوں نے میرے دوست کے فن کے قلب و جگر کے ٹکڑے کر دیئے۔ اہلِ دنیا نے میرے عزیز بھائی کے کلام کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ نہ جانے کس نے میرے سجیلے شاعر کی فکر کو اغلاط کے قفس میں بند کر کے اس کو زندہ درگور کر دیا۔ کیسے پیارے پیارے اشعار کیسے کیسے دلنشین خیالات کیسی نادر تشبیہیں کتنے جاں فراز استعارے اور کیسے کیسے انمول موتی خاک میں ملا دیئے گئے یہ رفیق رضوی کا نہیں میرا گھر اجڑ گیا یہ رفیق رضوی کا نہیں محسن اعظم گڑھی کا گھر لٹ گیا میرے بھائی میں ان کتابوں کو دیکھ کر اس لئے نہیں روتا کہ تم بھی روؤ نہ نہ تم خوش رہو تم ہنسو خدا تمھیں مسرت دے خوشی دے میں ان کتابوں کی اغلاط دیکھ کر تاحیات گریہ کروں گا۔

غمزدہ وحید

برادرِ معظّم جناب سیّد وحید الحسن ہاشمی صاحب

۲۶ اکتوبر ۱۹۹۵ء

برادرم تسلیمات

آپ کے دونوں دیوان کے ساتھ جو گزری اس کا تذکرہ سابقہ خط میں کر چکا ہوں۔ میں نے ہر صنف میں آپ کی بڑائی کا تذکرہ تو کیا لیکن اس کا سبب اور اس کی دلیل پیش نہ کی اس خط میں وہ اشعار پیش کر رہا ہوں جو ایک بڑے شاعر کو بڑا بناتے ہیں۔ ڈیڑھ سو اغلاط کا تذکرہ دل جلانے والی بات ہے اسے ترک کرتا ہوں۔

مل گیا قاسم کو گویا سب سوالوں کا جواب
دیکھ کر چپ ہو گئے فہرست میں اصغر کا نام

شعری بلاغت کا اس سے بہتر کیا نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے۔

سرِ عالم قلم لے کر اُدھر غالب اِدھر احقر
غزل گوئی میں وہ اور منقبت گوئی میں ہم نکلے

رضوی کی جگہ احقر رکھ کر بظاہر غالب کی عظمت مانی گئی ہے مگر منقبت کے لفظ نے احقر کو غالب سے بلند کر دیا ہے

دبا سکتا نہیں باطل غلامانِ محمد کو
تسلط نہر کا ہم نے سمندر پر نہیں دیکھا

استدلال کی بہترین مثال ہے۔

آل اور اغیار میں کچھ فرق ہونا چاہیے
کیوں ملوّث کر رہے ہو خون کو پانی کے ساتھ

لف و نشر مرتب کی بہترین مثال ہے۔

کہاں فرات کا دامن کہاں بہشت کا باغ
کہاں کا ذکر کیا اور مزے کہاں کے لئے

داغ کے رنگ میں زبان و بیان کا عمدہ نمونہ ہے۔

دیکھنا دل کی نگاہوں سے عَلَم کا پنجہ
فرش سے عرشِ معلیٰ کی زیارت کرنا

عقیدے کا بہترین شعر ہے۔

جہاں کی پیشکش ٹھکرا کے سر ریتی پہ رکھ دینا
اثر تو باپ کا تھا ہی مگر تاثیر تھی ماں کی

جنابِ ام البنین کا اس سے بڑھ کر اور کیا قصیدہ ہو سکتا ہے۔

ابوسفیان بڑھ سکتا پیمبر سے تو بڑھ سکتی
ابوسفیان کی اولاد اولادِ پیمبر سے

بہترین اور غیر معمولی استدلال سے کام لیا گیا ہے۔

سنگِ اسود کی بتوں سے چونکہ نسبت کچھ نہ تھی
سارے پتھر توڑ ڈالے ایک پتھر رکھ دیا

حسنِ تعلیل کی کیا عمدہ مثال ہے۔

بھلا مرنے کی خواہش کیوں ضعیفی ایک نعمت ہے
کتابِ عمر کی اس عمر میں تدوین ہوتی ہے

بہترین استدلال ہے۔

اس جنسِ سخن کا کیا کہنا دُہرا ہے اثر اس مایہ میں
گر دام لگے تو ہیرا ہے گاہک نہ ملیں تو پتھر ہے

جنسِ سخن کو اہلِ سخن سے مربوط کر کے شعر کی عمدہ تعریف کی ہے۔

نہ پوچھو کس طرح اپنی گزراوقات ہوتی ہے
زباں خاموش ہوتی ہے نظر سے بات ہوتی ہے

ریاستی زباں بندی کی اس سے بڑھ کر اور کیا تصویر پیش کی جا سکتی ہے۔

آرزو کو اشک بنتے میں نے دیکھا ہے حضور
کون کہتا ہےکہ یہ ندی کبھی بہتی نہیں

آرزو کو ندّی سے تشبیہ دینا بالکل نئی بات ہے۔

اجل کو اس نے بدل عمر بھر کا ٹھہرایا
دیا ہے ایک ورق اک کتاب کے بدلے

نہایت بلیغ شعر ہے اس ایک شعر میں تشبیہ بھی ہے استعارہ بھی اسی کو بلاغت کہتے ہیں اور پھر معنی میں معنویت کے کئی در کھلے نظر آتے ہیں۔

یہ میرا پہلا اور ہلکا سا نذرانہ ہے زندگی رہی تو اپنے جگری دوست پر کچھ لکھوں گا میرے لئے دعا ضرور فرمائیں۔

ایک دوست جو اپنے دوست سے بچھڑ گیا

وحید۔ لاہور

از "اردو مرثیہ پاکستان میں" علامہ ضمیر اختر نقوی صاحب

رفیق رضوی ۱۹۳۶ء میں بمقام موضع واری ضلع اعظم گڑھ پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم والد حکیم سیّد شوکت حسین رضوی کے زیر نگرانی ہوئی۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان آئے۔ ۱۹۵۳ء میں شاعری شروع کی اور محسن اعظم گڑھی کی شاگردی اختیار کی ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ ۱۹۵۷ء میں ایک مرثیہ کہا جو ۱۹۷۱ء میں "ارشاد" کراچی میں شائع ہوا۔ مرثیے کے تین بند۔ جدید مرثیہ نگاری کے رجحان کو واضح کرتے ہیں۔

از "تذکرۂ شعراء و شاعرات پاکستان" مہر پیلی بھیتی

۱۲ فروری ۱۹۶۴ء

عقب جیکب لائن کوارٹر نمبر ا۔ جی میں رہنے والے نوجوان سیّد رفیق حسین رضوی سے ملاقات کے بعد معلوم ہوا کہ آپ صاحبِ خُلق و اخلاق شخص ہیں۔ ضروری گزارش پر نوازش فرمائی۔

سیّد رفیق حسین رضوی ولدیت حکیم سیّد شوکت حسین رضوی۔ پنجاب یونیورسٹی کے میٹرک اور کراچی یونیورسٹی کے طالب علم ہیں۔ عمر تقریباً ۲۷ سال ہے۔ شاعری بارہ سال سے فرماتے ہیں اور اپنے عمو محترم کے شاگرد ہیں۔ فی الحال مُلازمت کسی سرکاری محکمہ میں کر رہے ہیں۔ پہلا شعر فرماتے ہیں۔

ہمیں دیتی جاتی ہے پیغامِ گریہ
گلُوں کی تبسّم فروشی مُسلسل!

مطالعہ سابقہ شعراء میں تقریباً سب کا کیا۔ لیکن کسی سے متاثر نہیں ہو سکے۔ جملہ اصنافِ سخن پر جناب نے طبع آزمائی فرمائی ہے۔ قابلِ ذکر جرائد میں خود کلام شائع ہونے کو بھی فرمایا۔ شادی شدہ ہیں، دو بچے، ایک فرزند، ایک دُختر ہیں۔ مطالعہ ہی جناب کا شغل ہے۔ تعلّقات احباب وسیع اور ادبی مجالس میں شرکت فرماتے ہیں۔ طرزِ زندگی مشرقی۔ عقیدتاً اثناء عشری ہیں۔

موصوف نے اصنافِ سخن میں اضافہ بھی فرمایا ہے۔ میں اس سے اپنی کوتاہ علمی کی وجہ سے لاعلم ہوں۔ کسی دوسرے شاعر کے کلام کا تاثر قبول نہ کرنا ایک ایسی بات ہے کہ شاعر اپنے طرزِ بیان کا منفرد ہے۔

آئیے کلام کا نمونہ دیکھیں اور سمجھیں کہ کیا واقعی انفرادیت ہے بھی یا صرف سخن آرائی ہی ہے۔

جناب محمد وصی خان صاحب

سربراہ ادارہ یادگار عسکری علیہ السلام

سرکار بفضل خداوندِ کریم اور بتصدّقِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام آپ خیریت سے ہوں گے کل مورخہ ۲۷ جون ۱۹۹۵ء کو بوقت ۶ بجے میری بیٹی اپنے شوہرِ نامدار کے ساتھ تشریف لائیں اور آپ کے قلم موتی رقم سے تحریر کی ہوئی دو عدد کتابیں عنایت کیں اور کہا کہ ابّو نے کہا ہے کہ اپنے تاثرات لکھئے تاکہ ابّو اس کو کسی کتاب میں شائع کریں گے۔

سرکار بیٹی نے مجھ کو اتنا بڑا اعزاز دیا میں کہاں اور آپ کہاں

از "اردو مرثیہ پاکستان میں" علامہ ضمیر اختر نقوی صاحب

رفیق رضوی ۱۹۳۶ء میں بمقام موضع واری ضلع اعظم گڑھ پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم والد حکیم سیّد شوکت حسین رضوی کے زیر نگرانی ہوئی۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان آئے۔ ۱۹۵۳ء میں شاعری شروع کی اور محسن اعظم گڑھی کی شاگردی اختیار کی ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ ۱۹۵۷ء میں ایک مرثیہ کہا جو ۱۹۷۱ء میں "ارشاد" کراچی میں شائع ہوا۔ مرثیے کے تین بند۔ جدید مرثیہ نگاری کے رجحان کو واضح کرتے ہیں۔

از "تذکرۂ شعراء و شاعرات پاکستان" مہر پیلی بھیتی

۱۲ فروری ۱۹۶۴ء

عقب جیکب لائن کوارٹر نمبر ا۔ جی میں رہنے والے نوجوان سیّد رفیق حسین رضوی سے ملاقات کے بعد معلوم ہوا کہ آپ صاحبِ خُلق و اخلاق شخص ہیں۔ ضروری گزارش پر نوازش فرمائی۔

سیّد رفیق حسین رضوی ولدیت حکیم سیّد شوکت حسین رضوی۔ پنجاب یونیورسٹی کے میٹرک اور کراچی یونیورسٹی کے طالب علم ہیں۔ عمر تقریباً ۲۷ سال ہے۔ شاعری بارہ سال سے فرماتے ہیں اور اپنے عمّو محترم کے شاد گرد ہیں۔ فی الحال مُلازمت کسی سرکاری محکمہ میں کر رہے ہیں۔ پہلا شعر فرماتے ہیں۔

ہمیں دیتی جاتی ہے پیغامِ گریہ
گُلوں کی تبسم فروشی مُسلسل!

مطالعہ سابقہ شعراء میں تقریباً سب کا کیا۔ لیکن کسی سے متاثر نہیں ہو سکے۔ جملہ اصنافِ سخن پر جناب نے طبع آزمائی فرمائی ہے۔ قابلِ ذکر جرائد میں خود کلام شائع ہونے کو بھی فرمایا۔ شادی شدہ ہیں، دو بچے، ایک فرزند، ایک دُختر ہیں۔ مطالعہ ہی جناب کا شغل ہے۔ تعلّقات احباب وسیع اور ادبی مجالس میں شرکت فرماتے ہیں۔ طرزِ زندگی مشرقی۔ عقیدتاً اثناء عشری ہیں۔

موصوف نے اصنافِ سخن میں اضافہ بھی فرمایاہے۔ میں اس سے اپنی کوتاہ علمی کی وجہ سے لاعلم ہوں۔ کسی دوسرے شاعر کے کلام کا تاثر قبول نہ کرنا ایک ایسی بات ہے کہ شاعر اپنے طرزِ بیان کا منفرد ہے۔ آئیے کلام کا نمونہ دیکھیں اور سمجھیں کہ کیا واقعی انفرادیت ہے بھی یا صرف سخن آرائی ہی ہے۔

جناب محمد وصی خان صاحب

سر براہ ادارۂ یادگار عسکری علیہ السلام

سرکار بفضل خداوندِ کریم اور بتصدّقِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام آپ خیریت سے ہوں گے کل مورخہ ۲۷ جون ۱۹۹۵ء کو بوقت ۶ بجے میری بیٹی اپنے شوہرِ نامدار کے ساتھ تشریف لائیں اور آپ کے قلم موتی رقم سے تحریر کی ہوئی دو عدد کتابیں عنایت کیں اور کہا کہ ابو نے کہا ہے کہ اپنے تاثرات لکھئے تاکہ ابّو اس کو کسی کتاب میں شائع کریں گے۔

سرکار بیٹی نے مجھ کو اتنا بڑا اعزاز دیا میں کہاں اور آپ کہاں

میں شاگرد ہوں آپ استاد ہیں بلکہ آپ کے سامنے طفلِ مکتب ہوں۔ جب ہوش سنبھالا تو آپ اور علّامہ شفیق رضوی صاحب قبلہ کے زیرسایہ نوکری کی آپ لوگوں نے ہمت دلائی تو کچھ لکھنا شروع کیا۔ اب جو کچھ بھی ہوں یا میرا نام ہے اس شہرت میں آپ کا اور علّامہ شفیق رضوی صاحب قبلہ محققِ عصر کا برابر کا حصّہ ہے میں بڑے فخر سے آپ دونوں صاحبان کو اپنا استاد کہتا ہوں۔ انشاء اللہ آپ کا حکم بجا لاؤں گا۔ سرکار آپ کی دونوں کتابیں بہت شاندار چھپی ہیں اور آج کل کے دور کے مطابق ہیں کلام تو کلام ہے اس پر جو آپ نے بی بی زہرا سلام اللہ علیہا کے روضہ پاک کی شبیہ کا فوٹو دیا ہے وہ پہلی مرتبہ اس شاندار طریقہ سے منظرِعام پر آیا ہے اس سے پہلے میں نے کبھی رنگین صورت میں ایسا فوٹو نہیں دیکھا ہے۔

نیاز مند

وصی خان

نوٹ: بروز جمعہ بتاریخ ۱۰ نومبر ۱۹۹۵ء کو جناب محمد وصی خان صاحب سے ملاقات ہوئی بہت سے لوگ جمع تھے خان صاحب کی چاہت پر بہت دیر تک اشعار سُناتا رہا ایک مکمل محفل کا سماں پیدا ہو گیا تھا چلتے چلتے میں نے خان صاحب سے پوچھا کہ اُن کا ایک خط تو مل گیا تھا کیا وہ "ماثر" اور "بیوت الجنان" پر کچھ اظہارِ خیال کریں گے؟

خان صاحب نے پورے مجمع کو گواہ بنا کر قسم کھا کر کہا کہ انھوں نے تین مرتبہ قلم اُٹھایا اور ہر مرتبہ ذہن نے یہ کہہ کر قلم رکھنے پر مجبور کر دیا کہ اس کلام کے محاسن تیری قوتِ بیان سے باہر ہیں۔ میں مجبور ہو گیا میں نے خان صاحب سے سب کے سامنے پوچھا کہ یہی بات

میں کتاب میں لکھ دوں؟ خان صاحب نے کہا آپ کو پورا پورا اختیار ہے۔
رفیق رضوی

محترم جناب سیّد محمود الحسن رضوی صاحب

نوٹ: حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ہر اعتبار سے مکمل تقریظ ہے جس کے صرف اقتباسات نقل کرنے پر مجھے خود افسوس ہے لیکن میری مجبوری کتاب کی ضخامت ہے۔ رفیق رضوی

ہمارے ماحول میں بہت سی ایسی ہستیاں ہیں جن کی زندگی ایک کھلے ہوئے گلاب اور روشن چراغ کے مانند ہے جس سے ذہن و دماغ کو نکہت اور قلب و نظر کو نُور ملتا ہے ان ہستیوں میں ایک نمایاں شخصیت سیّد رفیق حسین صاحب رضوی ایم اے، ایل ایل بی کی ہے۔ آپ کی ذات علم و ادب کا ایک چلتا پھرتا دائرۃ المعارف ہے۔ نکتہ دانی و نکتہ سنجی میں ماہر، خلوص و اخلاص کا مجسمہ اور خلق و ایثار کا پیکر۔ امسال آپ کے دو مجموعۂ افکار "بیوت الجناں" اور "ماثر" شائع ہوئے ہیں جن میں شائع شدہ مختلف اصنافِ سخن میں آنجناب نے خیالات کے اظہار میں بلاغت و فصاحت کے وہ جوہر دکھلائے ہیں کہ قاری آپ کی علمی اور ادبی استعداد کا معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حمدِ معبود، نعتِ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، منقبتِ معصومین علیہم السلام، سلاموں، نوحوں اور مرثیوں پر مشتمل ان گلدستوں سے واضح ہوتا ہے کہ رضوی صاحب کو قرآن مجید، حدیثِ سرورِ کائنات، اقوال آئمہ علیہم السلام اور تاریخ کے علم کے ساتھ اپنے عقائد، لطیف احساسات اور جذبات کو الفاظ میں ڈھالنے کی قدرت حاصل ہے۔ آپ کے کلام میں تشبیہات، استعارات، تلمیحات اور محاوروں کی

گرانقدر مثالیں اور نمونے پائے جاتے ہیں۔

میرے بزرگ ساتھی پروفیسر زین العابدین کے بقول "الفاظ معلوم ہوتا ہے آپ کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔" یا جیسا کہ دیرینہ رفیق محترم مفکرِ اسلام علامہ سیّد عباس حیدر عابدی مرحوم نے جب ہم علامہ سیّد شفیق حسین رضوی مدظلہ کے دولتکدہ پر نذر میں شریک تھے رفیق رضوی صاحب سے کلام سنانے کی فرمائش کی اور سننے کے بعد ارشاد فرمایا کہ "ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ازل کے دن پروردگار نے نعمتوں کی الگ الگ ڈھیریاں لگا کر اہلِ نظر سے کہا ہو کہ اپنی اپنی مطلوبہ نعمت کو متعلقہ ڈھیری سے لے لیں ایسے میں میں بلاخوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ جناب رفیق رضوی صاحب اٹھے اور انھوں نے الفاظ کی ڈھیری کل کی کل اپنے دامن میں بھر لی۔" حقیقتاً رفیق رضوی صاحب کے کلام بلاغت نظام میں الفاظ کے دمکتے ہوئے موتی بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں خاص طور سے "حمدِ باری تعالیٰ" اور "قرآن" جیسے شہپاروں میں شوکت الفاظ علاّمہ مرحوم کی رائے کی روشن دلیل ہے کہ قدرت نے رضوی صاحب کو اس نعمت سے خوب نوازا ہے۔

اوّل تو قدرت کا انعام کہ ذوق شعری مبدءِ فیض سے ملا پھر آپ کی تربیت بھی ایک ایسے ماحول میں ہوئی جس کی بدولت ادبی اور شعری ذوق آپ کے مزاج میں رچ بس گیا آپ کے والد ماجد حکیم سید شوکت حسین رضوی مرحوم بھی شاعر تھے اور آپ کے عمّ محترم علامہ سیّد محمد محسن رضوی (علامہ محسن اعظم گڑھی) کا شمار تو باکمال اساتذہ میں ہوتا ہے جو کراچی کی محفلوں کی رونق تھے۔ چنانچہ نوجوانی میں ہی آپ کی تخلیقات سے اہلِ نظر لذت اندوز ہونے لگے تھے اور اب تو

تقریباً نصف صدی گزری مشقِ سخن کرتے اس لئے آپ کا کلام متانت اور توازن کی خصوصیات سے لبریز ہے۔

رضوی صاحب کا زیادہ تر کلام مذہبی شاعری پر مشتمل ہے جس میں مضمون آفرینی، موشگافیاں اور مضمون سے مضمون اور بات سے بات نکالنا بڑا مشکل ہے لیکن موصوف نے مختلف اور ایک جیسے مضامین کو بھی خوبصورتی سے فصیح و بلیغ انداز میں نظم کیا اور بند شیں بھی خوب اور چست ہیں۔

اصناف سخن میں مرثیہ گوئی بڑا مشکل فن ہے کیوں کہ مرثیہ سبطِ رسول الثقلینﷺ کی شہادت کے تاریخی اور حقیقی واقعات سے متعلق ہے۔ اس میں روایتی و رسمی جفا و وفا کو چھوڑ کر حق و باطل کی معرکہ آرائی پیشِ نظر رہتی ہے جس کی مثال دنیا پیش نہ کر سکی۔ واقعہ کربلا میں شجاعت کے کارنامے، صبر و تحمل کے بے نظیر نمونے، علم و عمل کے لاجواب مظاہرے، امویوں کی جفاؤں اور عباسِ غازی کی عدیم النظیر وفا کے تذکرے یعنی کہ ایک دنیا اخلاقی قدروں کی فضا میں سانس لیتی، چلتی پھرتی دکھائی جا سکتی ہے۔

نامی گرامی مرثیہ نگاروں خاص طور سے میر انیس اور مرزا دبیر نے جن کا نام آج تک اقلیمِ سخن میں گونج رہا ہے۔ اپنی قادر الکلامی کے ایسے بین ثبوت فراہم کئے کہ اردو شاعری جس قدر ان کی ذات پر ناز کرے کم ہے۔ مرثیوں کے پڑھنے اور سننے والے جانتے ہیں کہ اصنافِ سخن میں کوئی صنف باقی نہیں رہی جس میں مداحانِ اہلبیتِ اطہار نے جادو بیانی کے جوہر نہ دکھلائے ہوں۔

مانا کہ مرثیہ گویوں میں مرزا دبیر اور میر انیس نے اس فن کو

اس درجہ تک پہنچایا کہ بظاہر اس سے آگے ترقی کا راستہ مسدود ہو کر رہ گیا لیکن بقول رفیق رضوی صاحب

مرثیہ صنف ہے ایسی کہ جو آفاقی ہے

"مشاغل دنیوی میں انہماک کے سبب جو قوتیں سو جاتی ہیں شعر ان کو جگا دیتا ہے۔ شعر کا اثر محض عقل کے ذریعہ نہیں بلکہ زیادہ تر ذہن اور ادراک کے ذریعہ سے اخلاق پر ہوتا ہے۔ پس ہر قوم اپنے ذہن کی جودت اور ادراک کی بلندی کے موافق شعر سے اخلاق فاضلہ اکتساب کر سکتی ہے۔

چونکہ ہماری قومی زبان میں کوئی نظم ایسی نہیں ملتی جس میں مرثیوں کے برابر اخلاقی مضامین کا گرانبہا ذخیرہ موجود ہو۔ اس لئے ضرورت ہے کہ افرادِ ملت اس کلام کو پڑھیں۔

مذہبی شعراء کے جم غفیر میں جو اپنی اپنی فکر کے مطابق نقد و نظر اور علم و ادب میں کمال حاصل کر رہے ہیں کچھ ایسے بھی ہیں جو معرفت معصومین علیہم السلام میں سرشار جلبِ منفعت اور شہرت سے بے نیاز اپنی جودت اور طبع کی ندرت سے بے خوف و خطر ہر قسم کے لالچ سے بالاتر مذہبی شاعری کی اپنے خونِ جگر سے آبیاری کر رہے ہیں۔ ہمارے ممدوح رفیق رضوی صاحب بھی اسی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ موصوف اپنے کردار کی بلندی، سیرت کی رعنائی میں حسنِ اخلاق کی وہ انفرادیت رکھتے ہیں جس کی وجہ سے وہ جس کسی سے بھی ملتے ہیں اسے اپنا مدّاح اور گرویدہ بنالیتے ہیں اور اپنے خلوص و محبت، غیرت و حمیّت، عاجزی، انکساری، طبع کی روانی اور اعلیٰ فطری صلاحیتوں کی جولانی سے علم و ادب اور دین و مذہب سے دلچسپی رکھنے

والے ہر شخص کا دل موہ لیتے ہیں کیوں کہ انھیں

سند کاوش کی لینی ہے مگر نفسِ پیمبر سے

اور اسی لئے آپ کی نگارشات میں شدّتِ احساس کے ساتھ زور کلام اور جوش بیان بھی پایا جاتا ہے۔

راقم الحروف نہ شاعر، نہ ادیب اور نقاد ہے اس لئے رفیق رضوی جیسے کہنہ مشق اور قادرالکلام کی شاعری پر نقد و نظر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا البتہ ایک عام قاری اور سامع کی حیثیت سے جو کچھ بیانی کی ہے اس میں موصوف کی شخصیت اور اقلیمِ سخن پر گفتگو کا حق تو کیا ادا ہوا اندیشہ ہے کہ یہ ہیچمداں سخن وروں کے لئے ہدفِ تنقید نہ بن جائے۔

سیّد محمود الحسن رضوی

محترمہ جناب خیر النساء صاحبہ

والدۂ جناب سیّد طاہر امام رضوی صاحب سلمہٗ

ابھی میں نے ہاتھ میں قلم لیا کہ دیوار پر لگے گھڑیال نے آواز سنائی میں نے پوچھا کیا ہے معلوم ہوا وقت ہے۔ چھوٹی سوئی گیارہ پر پہنچی ہے یہ بھی عجیب اتفاق کہ ہمارے گیارہ ہادی سامنے بارھواں پس غیبت ہے۔ ہمارا درود و سلام ہو محمد و آل محمد پر جو بنائے تخلیقِ کائنات ہیں۔ یہی ہمارے دو جہاں کے مددگار ہیں۔ ہاں تو معلوم ہوا کہ وقت جا رہا ہے جو وقت جاتا ہے وہ پلٹ کر نہیں آتا۔ مگر یہ اکثر ایسے گہرے نقوش چھوڑ جاتا ہے جسے سن سن کے زمانے والے سر دھنتے رہیں۔ یاد بس آتی رہیں۔ تذکرے ہوتے رہیں۔ دارا و سکندر کی باتیں چھوڑئے قصۂ پارینہ ہے لیکن سیفِ قلم سے جہاد کرنے والے یا بیلچہ لے

کر محنت کرنے والے اپنی محنت کا ثمر ضرور پلتے ہیں۔ میر انیس نے فرمایا

لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

حقیقت یہی ہے کہ کسی سخنور کی کد و کاوش سے کبھی کبھی ایسا باغ سرسبز و شاداب مہکتا ہے۔ لہکتا ہے جہاں گلوں کی خوشبو۔ طائرانِ خوش نوا کے نغمے بھولے بھٹکے تھکے مسافر کو تازہ دم فرح ناک کر دیتے ہیں۔ لیکن جناب یہ کام ایسا آسان بھی نہیں ہے۔ مرزا غالب کہتے ہیں

کاو کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

فرہاد کا تیشہ اور سخن ور کا قلم میری نظر میں دونوں ہی برابر ہیں۔ کسی نے کہا شاعری خونِ جگر سے ہوتی ہے۔ کسی نے کہا جناب شاعری مرصع سازی ہے۔ چھوٹے بڑے نگینوں کو جسامت اور رنگ کی مناسبت سے جڑنا بڑی دیدہ وزری اور دانائی کا کام ہے۔ بہر حال شاعری جس کا جادو صدیوں سے حاوی ہے یقیناً ایک اچھے کلام کو پڑھ کر یا سن کر ہر عاقل و دانا پر جو محویت طاری ہو جاتی ہے اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جو ذوقِ سخن رکھتا ہے۔ جب تک سونا پرکھا نہ جائے یا ہیرا جوہری کے ہاتھ نہ آئے۔ اس وقت تک اُس کے جوہر نہیں کھلتے۔

میں خود کو شاعرہ تو کہنے کے قابل نہیں سمجھتی لیکن ذوقِ سخن رکھتی ہوں لذّتِ کلام سے مدہوش ضرور ہو جاتی ہوں۔ یوں تو میں نے ادیب اردو کا امتحان ہندوستان میں دیا تھا۔ فاضل اردو میں کراچی

میں کامیاب ہوئی اور دو سال تک میں نے رضاکارانہ ادب اردو کی خدمت بغیر کسی معاوضے کے کی۔ ادیب اردو فاضل اردو کی کلاسیں لیں۔ انگلش زبان میں بھی امتحان دیا معلومات ڈگری سے زیادہ حاصل کی اردو کے علاوہ عربی، فارسی میں بھی بہت کچھ محنت کی بغیر کسی امتحان کے بہر حال دنیا امتحان گاہ ہے۔

میری رہائش ۱۹۵۲ء سے ۱۹۸۲ء تک لیاقت آباد سی ایریا میں تھی عزاداری حسین علیہ السلام مظلوم میں تیسرا نمبر تھا۔ محرم میں دو جلوس علم پاک برآمد ہوتے تھے پورے لیاقت آباد میں ہمارا گھرانہ مشہور تھا میرے شوہر مقبول حسین رضوی مرحوم بھی اور بڑے بیٹے اعجاز امام رضوی مرحوم بھی حدیث پڑھتے تھے۔ ہمارے گھر کے قریب ہی پروفیسر سید زین العابدین صاحب کی رہائش تھی۔ زنانی مردانی ہر محفل میں آنا جانا تھا۔ پروفیسر موصوف کے یہاں مردانی شعرا کی محفلوں میں میرا کبھی جانا نہیں ہوا۔ مگر وہ پیاسا ہی کیا جس کے لیے دریا خود کوزہ لے کر حاضر نہ ہو۔ پروفیسر صاحب کے یہاں سالانہ محفل ہوتی تھی ہر محفل کا کتابچہ تیار ہوتا تھا جو مکمل تعریف، احادیث، دلائل، معجزات و فضائل کے ساتھ تمام شعراء جو وہاں پڑھتے تھے سب کے کلام کے ساتھ تیار ہو کر میرے شوہر مقبول حسین رضوی مرحوم کے ذریعہ مجھ تک پہنچ جاتا تھا۔ ابھی بھی خستہ حالت میں کچھ میری ڈائری میں کلام محفوظ ہے۔ محفل منعقدہ ۱۹۶۰ء کا کتابچہ میں سیّد رفیق حسین رضوی صاحب کا قصیدہ مولا علی علیہ السلام کی شان میں بہت ہی عالی شان میری ڈائری میں ہے جس کے پڑھنے پر محفل میں کیا رنگ جما تھا جو آج تک مجھے یاد ہے لطف کی بات یہ کہ کئی جوان اور مشہور ذاکرات موجود

تھیں مگر مولا علیہ السلام کے صدقے میں مجھے اوّلیت کا شرف حاصل ہوا۔ مصرعہ اُولیٰ حاضر ہے۔

خانۂ حق میں کوئی عزّت ماب آنے کو ہے

لطف کی بات یہ ہے کہ میرا پسندیدہ تمام سننے والوں کا پسندیدہ، لوگوں کو محو کر دینے والا کلام مگر شاعر کا تعارف نہ تھا۔ حالانکہ رفیق رضوی صاحب کچھ ہم سے دور نہ تھے قریب بالکل قریب تھے یعنی میرے جگر گوشہ میرے پیارے داماد سیّد کلب حسن رضوی کے آپ حقیقی پھوپھا ہیں۔ برابر شادی بیاہ مجلسوں میں آنا جانا رہا ہے ان کی بیگم صابرہ بنت اختر حسین بیگم شفیق صاحب اور آپ کی ایک ہمشیرہ جو کلب حسن کی سگی چچی ہیں بہر حال سب لوگ برابر ملتے رہے لیکن سیّد رفیق رضوی صاحب غنچۂ سربستہ رہے۔ میں اس مشام معطر خوشبو سے محروم تھی اب یہاں پر ذرا وقت کی گلکاری دیکھیئے کیسے اچانک میرے لئے یہ نافۂ مشک ختن کھُلا۔ رفیق رضوی صاحب کی دو کتابیں "مآثر" اور "بیوت الجنان" کچھ دنوں پہلے کسی ذریعے سے مجھ تک پہنچیں اتفاقِ وقت کہ کئی اور کاموں کی مصروفیت اور کچھ میری علالت کے سبب وہ یونہی رکھی رہ گئیں۔ ۲۰ جمادی الثانی بی بی کے میلاد کے موقع پر بہترین کلام کی تلاش میں نے کتاب کو ہاتھ میں لیا۔ عادت کے مطابق "الف" سے "ی" تک پڑھ ڈالا نام و نسب سے آگاہی ہوئی کلام سبحان اللہ لاکلام جس کی تعریف کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں۔ جو جذب و کیف ہے وہ قلم تسخیر کرنے سے قاصر ہے الفاظ کی بندش، ترتیب، ندرت و جدّت کا ایسا بحرِ زخّار طوفان بدوش ہے کہ کیا کہوں دل سنبھالوں تو کہوں ہوش میں آلوں تو کہوں۔ میں نے اپنی

تعارفی تحریر میں یہ عرض کیا ہے کہ میں ایسی کتابوں کی کیڑا ہوں تمام متقدمین، متوسطین، متاخرین دورِ جدید کے تمام شعراء کا کلام پڑھا ہے۔ فنِ تنقید سے تھوڑی سی شناسائی ہے میں یقین کے ساتھ کہتی ہوں کہ رفیق صاحب شاعری کے بہت بڑے جادوگر ہیں۔ کلام کیا کُھلا طلسم ہے۔ میں نے کئی کئی بار پڑھا پڑھتی رہی سر دھنتی رہی۔ وجد کا عالم، متحیر یا اللہ یہ نیا رنگ نیا ڈھنگ آج تک نظر سے نہ گزرا تھا۔ بہر حال بہت سے اشعار کو ہیروں کے ڈھیر میں سے چُنا نشان لگایا اب شمار جو کرتی ہوں تو اگر لکھنے بیٹھوں تو یہ بذات خود ایک کتاب بن جائے گی۔ پہلی نظر حمدِ باری تعالیٰ پر پڑی خدا شاہد کہ آج تک ایسی حمدِ باری تعالیٰ میری نظر سے نہ گزری تھی۔ شاید میرا علم محدود ہے۔ مگر اتنا ضرور سمجھ میں آتا ہے کہ یہ حمد جب فرشتے لے کر درگاہِ ایزدی میں پہنچے ہوں گے تمام کائنات جھومتی جھومتی درگاہِ ایزدی میں حاضر ہو گئی ہو گی اور کہا ہو گا بارِ الہٰا تیرے ذکر کے ساتھ ہم بھی حاضر ہیں اس تیرے بندے نے سورۂ رحمٰن کے پردوں کو اس طرح اُٹھایا ہے کہ بے حجاب کر دیا۔ کیا شہرِ علم کے در پر یہ اکیلا سوالی پہنچا تھا۔ خدا جانے کسی کے لئے کچھ بچا ہے یا نہیں۔ کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں اللہ ربُّ العالمین۔ پھر رحمت اللعالمین۔ سیدہ نساءِ العٰلمین۔ مقصدِ کربلا کوئی شوکتِ الفاظ کے لئے قلم کہاں سے لائے یقین جانئے محاورہ نہیں۔ غلو نہیں۔ یہ کہنے میں کم سے کم مجھ جیسی کم مایہ کو کوئی رکاوٹ نہیں کہ کوزے میں سمندر سمو دیا ہے یہ ایک طویل نظم مسلسل ہے بہ طرزِ مخمس ۲۷ بند ہیں۔ حمد باری تعالیٰ، نعتِ رسول مقبول ﷺ منقبت مولا علی شیر خدا علیہ السلام، شفیعۂ روزِ جزاء سیدۃ النساء العٰلمین جناں کے

دونوں سردار جگر گوشۂ رسول مختار پر مشتمل ہے۔ مگر مجال کیا کہ کہیں قاری اکتاہٹ محسوس کرے یا کسی قسم کی کجی ہو۔ یوں تو آپ کے تمام اشعار ہمہ خانہ افتاب کے مصداق ہیں۔ ہر شعر میں وہی اچھوتا پن، سلاست، روانی ہے اللہ کے احسان کو یاد کرنا اس کی نعمتوں کا شکر کرنا ہے۔ دو بند چاہتی ہوں لکھ دوں۔

بوذر کا طلبگار ہوں میں زر کی طلب ہوں
تقدیر کا حاکم ہوں مقدّر کی طلب ہوں
اشعار کا مطلوب ہوں کوثر کی طلب ہوں
ایک ہاتھ میں ساغر ہے تو اک ہاتھ میں دیوان
یا پالنے والے ترا احسان ہے احسان

کیا شاعرانہ تعلّی ہے ملاحظہ فرمائیے۔

یہ ولولہ انگیز تکلّم کہ ہمہ رنگ
محفل کا تو کیا ذکر کہ جبریل ہم آہنگ
حیرت میں ملائک ہیں اجنّہ و بشر دنگ
آبنوہِ مضامیں پہ معاصر مرے حیران
یا پالنے والے ترا احسان ہے احسان

رفیق رضوی صاحب کی تعلّی شاعرانہ نہیں ہے بلکہ حقیقت پر مبنی ہے اگرچہ کہیں کہیں مرزا غالب کا ردیف و قافیہ لیا ہے مگر سرقہ نہ خیال میں نہ مقال میں یہ شعر ملاحظہ ہو۔

عَلم ملنے کی خواہش کیوں عَلم اٹھتا نہ ہو جس سے
کلائی میں نہ طاقت ہو تو دل میں حوصلہ کیوں ہو

رضوی صاحب اگر نصیحت بھی کرتے ہیں تو انوکھے میٹھے انداز میں

مٹا کے دہر سے رہتے ہیں آدمی کو سدا
حسد، فساد، شرارت، عناد، ظلم، جفا

یوں تو سلام، رباعی، مخمس، مسدس تمام اصنافِ سخن شیشے کی طرح صاف و مصفا ہیں مرثیہ بھی بہت اچھا ہے۔ بہترین فضائل بہترین مصائب کلام میں آخر ہے اس لئے آہ اور واہ دونوں موجود ہیں۔ سلام بے نقطہ بھی بہت شاندار ہے۔ بہت صاف سلیس اردو چھوٹی بحر میں ہے۔

طوس لکھو کے سامرہ لکھو
دل کا ہر گاہ مدعا لکھو

نظم ضعیفی میں جو منظر کشی کی ہے وہ بالکل حقیقی ہے کیوں کہ ضعیفی عیب۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ رضوی صاحب ماہرِ جنگ بھی ہیں۔ اس لئے کہ پہلے دشمن کو آگے بڑھنے دیا اور پھر جو حملہ کیا تو ہمیشہ کے لئے پسپا کر دیا اس لئے کہ جنت میں کوئی ضعیف نہیں جائے گا کسی شاعر نے کہا

جاتا ہے پلٹ کے کہاں مجھ سے شباب
جنت میں مرے پاس پھر آنا ہوگا

مقطع کا شعر عرض ہے۔

بہ فیض آل محمد یقین ہے رضوی
خزاں میں اوج میسر بہار کا ہوگا

دوسری نظم مسلسل۔

سوچتا یہ ہوں کہ میں کاش نہ شاعر ہوتا

ادب اردو میں ایک صنف ذم بالمدح ہے کہیں کہیں مثال کے لئے ڈھونڈے سے کوئی شعر ملتا ہے مگر خدا رضوی صاحب کے سخن پر اور جلا بخشے اس نظم میں جس حسن و خوبی سے دونوں پہلوؤں کو روشن کیا ہے صاحب فہم ہی سمجھ سکتا ہے۔

آپ کی دوسری کتاب "مآثر" میں حمد باری تعالیٰ نوّے اسم استعمال کئے گئے ہیں اور جو صفات کے اسم ہیں ان کو بھی شمار کیا تو ایک سو پندرہ ہوتے ہیں۔ تعریف کی بات یہ ہے کہ کوئی مہمل نہیں اگر تلمیحات کی تشریح کی جائے تو پوری کتاب بن جائے گی۔ کون سی شے ہے نہیں جس کا ہے تو پروردگار۔ سونے چاندی، لعل عقیق فیروزہ تمام جواہرات کی چمک پھر تمام پھولوں کی مہک موتیا جوہی چنبیلی کیوڑہ وغیرہ کی خوشبو میں بسا ہوا یہ تحفہ جب درگاہ ایزدی میں پہنچا ہوگا یا پہنچتا رہے گا تو رضوی صاحب کی محفل عالم ملکوت میں بھی انشاء اللہ گرما گرم رہے گی۔ دوسری منقبت جو نظم مسلسل ہی کہی جا سکتی ہے۔

پئے رنگینئ اشعار بڑھ کر چھین لو رضوی

حقیقت یہ ہے کہ اشعار کی کلاشنکوف ہاتھ میں نظر آ رہی ہے۔ کائنات میں ہلچل مچا دی ہے۔ ضیا مہتاب سے شبنم سے آنسو آگ پتھر سے کیوں یہ اسلحہ نہیں تو اور کیا ہے مختصر یہاں صفات کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔ اناسی صفات اپنے اسم کے ساتھ ہیں اگر اس میں کسی کو شک ہو تو گن لے۔ جہاں تک تشبیہات استعارات کا ذکر ہے کم ہیں۔ مگر جو ہیں جہاں ہیں بہت خوبصورت انداز ہے مثال کے طور پر شعر عرض ہے۔

ہے دل آویز کتنا شام کے ماتھے کا یہ ٹیکہ
نہ دیکھے آج جو اس کو یقیناً سال بھر ترسے
نکلتا ہے چمکتا مسکراتا نور پھیلاتا
یہ بادل سے کہ موسیٰ جس طرح فرعون کے گھر سے
علی کے سامنے مرحب جو آیا زندگی چیخی
کہ ٹکر لے رہا ہے ایک پرنالہ سمندر سے

محاورہ کا استعمال بھی ملاحظہ ہو۔

جمل کیا ہے علیؑ ابن ابیطالبؑ کی مجبوری
اٹھائی تیغ پانی جب کہ اونچا ہو گیا سر سے

یہ ایک شعر "بیوت الجنان" کا ہے جو منقبت مولا علی علیہ السلام میں ہے۔ اس میں صفتِ تضاد بھی ہے اور فضائل بھی بامعنی یہ شعر حاضر ہے۔

مفکر بر سرِ منبر، وغا میں قاتلِ عنتر
کہیں شعلہ کہیں شبنم علیؑ ابن ابی طالبؑ

اس شعر کی تشریح میں ایک انگریز مستشرق کو پیش کرتی ہوں جو علوم شرقیہ کا ماہر اور مصنف بھی ہے اس نے اسلام پر ایک کتاب لکھی ہے کتاب کا نام "شہسوار اسلام" رکھا ہے۔ مولا علی علیہ السلام کی شخصیت سے متاثر ہو کر عالم حیرانی میں لکھتا ہے علی کی شخصیت میں دو صفتیں حدِ کمال پر پائی جاتی ہیں جن کا ایک مقام پر جمع ہونا سمجھ سے باہر ہے۔ تاریخ عالم میں سوائے علی کے کوئی اور ایسی مثال نہیں ملتی علی ہی کی ذات ہے جو قہرمانِ جنگ فاتح جرنل ہونے کے ساتھ ساتھ

ایک زبردست عالم، فصیح ترین خطیب بھی ہے وہ علیؑ کے موازنہ میں یورپ کے دو بہادر جرنلوں کے نام پیش کرتا ہے کہ اگر یورپ کے رولینڈ یا بایارڈ سے کہا جائے کہ یہ توریت یا انجیل کی تشریح اور تفسیر کریں یا بالائے منبر فصیح و بلیغ تقریر کر کے قانونِ مدنی یا قانونِ تعزیرات کے عقدوں کو حل کریں تو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد وہ یورپ کے عابد زاہد مصنف مقرر کے نام لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کو میدان جنگ میں بھیج دیا جائے تو کیا یہ بہادر فاتح جرنل ہو سکتے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔

مولا کی عطا، کرم اور غلام نوازی کا یہ تجربہ کیا گیا ہے کہ ادھر ذرا کچھ سوچ لو دل میں خیال کر لو اُدھر مولا کرم فرما دیتے ہیں۔ یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ آسمان سے رزق خلائق پر اُتارا جاتا ہے۔ شبِ قدر میں روح کا نزول ہوتا ہے ایسی ہی بہت سی مثالیں موجود ہیں اگر لکھوں تو مضمون کو طول ہوگا۔ بہرحال رضوی صاحب پر بھی نزول رحمت ہوا اور گھر بیٹھے ان کی کاوشوں کا انعام صحیفۂ کاملہ امام زین العابدینؑ کی دعاؤں کا مجموعہ آستانۂ قدسِ رضویہ کی مہر کے ساتھ ملا اور یہ ترجمہ ہے بارِ دوم کی طباعت ایران کی ہے مگر بجائے فارسی کے انگریزی میں ترجمہ برقرار ہے عربی الفاظ کے ساتھ انگریزی میں لغت بھی ہے۔ عربی کی جو عبارت خصوصی توجہ کے لائق ہے وہ یہ ہے۔ الصحیفۂ کاملہ مطبوعہ انصارین پبلیکیشن ایران صفحہ نمبر ۱۹۱ عربی عبارت ملاحظہ ہو۔ "ذَالِکَ بِهٖ وَعَلٰی یَدَیهِ آمین رَبَّ العٰلمین" انگلش

and one of those through whome and whose hands this takes place (index page 297). 255 Imagination.

یہاں پر مولا کے اکرام کا ایک واقعہ عرض کرتی چلوں میں نے سن اکسٹھ باسٹھ عیسوی میں چند اشعار اپنے آٹھویں رہبر و رہنما کی شان میں کہے تھے۔ برابر محفلوں میں پڑھتی تھی اور اب بھی پڑھتی ہوں دو تین اشعار میں آپ کے معجزات نیشا پور کی آمد وغیرہ کی حدیث ہے۔ لوگ ماشااللہ ہمیشہ پسند کرتے رہے مگر ساتھ ہی میرے دل میں ایک خیال آیا کرتا رہتا تھا کہ مولا آپ کے شاعر خاص دعبل خزاعی تھے آپ نے انھیں اپنا جبہ مبارک اور اشرفیاں عنایت فرمائی تھیں۔ مولا میں ایک ناچیز گنہگار ذلیل و کمتر ہوں کم علم ہوں یہ کیسے کہوں کہ مجھے بھی کچھ انعام ملے مگر دعبل خزاعی کے صدقے میں یہ میرے ٹوٹے پھوٹے الفاظ قبول کیجئے اور مجھے اپنے روضۂ انور پہ طلب کیجئے حکم حضوری دیجئے میں بہت مختصراً عرض کرتی ہوں حکم حضوری دیا اور ایک لباسِ خاص بھی عنایت ہوا اس تاکید کے ساتھ کہ میں اپنی زندگی میں کسی کو نہ دوں اس کو پہن کر حدیث پڑھوں اور حَرم میں زیارات پر پہن کر جاؤں یہ بھی حکم ملا کہ اس لباس کے بارے میں لوگوں کو بتا بھی دیا کروں۔

جنت میں کیا ہوگا لباسِ حریر پہننے کو ملے گا اپنی پسند کا کھانا یعنی خوان ہائے نعمت ملیں گے کھانے میں بھی مجھے میری جنت میں دستر خوان ملا میری مرغوب غذا کوفتے کا سالن نہایت لذیز روٹی جو وہاں کی مخصوص تھی کیوں کہ پھر ویسی روٹی نظر نہیں آئی چکن بریانی زعفران کی خوشبو اور رنگ کی تھی۔ میرے داماد اور میری بیٹی نے جس وقت دیکھا حیران رہ گئے۔ جب یہاں کئی لوگوں سے میں نے بتایا تو لوگوں نے کہا کہ وہاں تو چلو کباب کے سوا کوفتے تو

نہیں ہوتے خدا کی قسم دنیا میں جنت کا مزا مل گیا یہ واقعہ کافی تفصیل سے ہے میں نے مختصر عرض کیا ہے۔

طوالت سے ڈرتے ہوئے ایک سرسری نظر رضوی صاحب کی غزل پر بھی تمام خوبیوں کے ساتھ فلسفۂ زندگی کو بھی مرزاغالب کی طرح سمجھایا ہے شعر حاضر ہے۔

خندۂ گل کی طرح گریۂ شبنم کی طرح
ختم جس طرح بھی ہو عمر کی میعاد کریں

(مرزا غالبؔ) غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

اب آخر میں اس جملے پر ختم کرتی ہوں کہ رضوی صاحب ماشاءاللہ غالب بھی رہیں اور بلند اقبال بھی۔

معذرت: ابتدا میں اپنا تھوڑا سا تعارف اس لئے کیا ہے کہ جب کوئی گواہ عدالت میں آتا ہے تو اس کو اپنے نام کے ساتھ اپنی صداقت کا بھی یقین دلانا ہوتا ہے اگر آپ سونے کو کندن بنانے کے لئے کسی کاریگر کے پاس لے جائیں تو اس کے استادِ فن ہونے پر پہلے یقین کرنا ہوگا اگر اس کے تجربے اس کے طریقہ کار سے واقف نہ ہوئے تو کیسے یہ یقین آئے گا کہ یہ سونے کو کندن بنائے گا یا ناکارہ۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب حضرت ابوذر غفاری چاہِ زمزم پر کچھ احادیث بیان کرنے والوں کے ساتھ بیٹھے تھے لوگ حدیثِ رسول مقبول بیان کر رہے تھے تو آپ اُٹھے آگے آئے اور کہا جو مجھے پہچانتا ہے پہچان لے جو نہیں جانتا جان لے کہ میں جندہ بن جندب ابوذر غفاری

ہوں غرضیکہ آپ نے مکمل تعارف کے بعد احادیثِ رسول اللہ بیان فرمائیں لٰہذا میں نے بھی تھوڑی سی زحمت دی اگر کوئی غلطی ہو تو معافی کی خواستگار ہوں۔ خاکِ درِ آل عبا کنیز جناب فضہ

خیر النساء

نوٹ: آپ کے تاثرات کم از کم بیس پچیس صفحات پر مشتمل ہیں جو کسی بھی صورت میں جامع تقریظ سے کم نہیں جس کی مکمل طباعت سے اپنی مجبوری نے مجبور کر دیا تاہم جو کچھ پیش کیا گیا وہ محترمہ کی اصل عبارت ہے۔ رفیق رضوی

محترم جناب حکیم سید عرفان حسین رضوی صاحب

میرے پیشِ نظر اس وقت محترم مکرم رفیق رضوی صاحب کے حمد، نعت، قصائد، منقبت اور مرثیوں کے دونوں مجموعے "مآثر" اور بیوت الجناں" ہیں۔ دنیاوی اور معاشی مصروفیات سے ہٹ کر جب بھی وقت ملا میں نے ان کی ورق گردانی کی، لطف اندوز ہوا، طبیعت سرشار ہوئی بلکہ بعض اشعار پر تو روح کو تقویت حاصل ہوئی۔ سبحان اللہ کیا پاک و پاکیزہ خیالات اور اعلیٰ و ارفع جذبات ہیں۔

میں جب بھی کبھی اپنے عہد کی تہذیبی قدروں اور معاشرتی ارتقاء پر غور کرتا ہوں اور نئی نسل کے گفتار، کردار پر سوچتا ہوں تو مجھے سب سے زیادہ خلاء جس بات کا محسوس ہوتا ہے وہ تربیت کا فقدان ہے۔ مذہبی تربیت، معاشرتی تربیت، اخلاقی تربیت یا ادبی تربیت۔ اب ان تمام شعبوں میں تربیتوں کی وہ شان نظر نہیں آتی جو ہمارے بزرگوں کی شناخت ہوا کرتی تھی۔ اس وقت میں خاص طور

پر ادبی تربیت کے حوالے سے عرض کرنا چاہتا ہوں، مجھے وہ زمانہ یاد ہے جب زبان و فن کے اساتذہ نئے ذہنوں کی ایسی تربیت کیا کرتے تھے کہ ان کی ادبی وراثت سے فکر و خیال کے نئے خزانے دریافت ہوتے۔

میں نے یہ تمہیدی سطریں اس لئے لکھیں کہ رفیق رضوی صاحب کا کلام پڑھتے ہوئے مجھے حضرت علامہ محسن اعظم گڑھی مرحوم یاد آگئے جن کی علمی و ادبی تربیت ہی نے رفیق رضوی صاحب کو یہ مقام عطا کیا۔

رفیق رضوی صاحب علامہ محسن اعظم گڑھی صاحب ہی کے دامنِ تربیت میں پلے بڑھے۔ اُن ہی کے سامنے مشقِ سخن کی اور باقاعدہ شعر کہنے شروع کئے۔ ان کے شعر میں جو توانائی ہے وہ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ انھوں نے ایک بزرگ ماہرِ فن سے زبان و ادب کے رموز سیکھے ہیں الحمدللہ انھوں نے اپنی شعری صلاحیتوں کو فضولیات میں ضائع نہیں کیا۔ ان کا محور مداحیٔ اہلبیت ہے وہ اپنے مولا و آقا کے لئے لکھتے ہیں اُن کے گھرانے کے لئے لکھتے ہیں وہ حمد کہیں یا نعت۔ مرثیہ کہیں یا سلام ان کا انداز دوسرے شعراء سے ذرا الگ انفرادیت رکھتا ہے۔ اظہار میں بھی ندرت ہوتی ہے اور جذبے میں بھی کسک اور خلوص میں شدّت نمایاں ہوتی ہے۔

ان کا مجموعہ "بیوت الجنان" پڑھتے ہوئے میری نظر ایک ایسے سلام پر ٹھہر گئی جس کی زمین میں حضرت جوش اور حضرت نسیم امروہوی کے بھی سلام ہیں لیکن اساتذہ کی مثالوں کے باوجود اس سلام میں ایک الگ مزاج نظر آتا ہے۔ چند شعر آپ بھی ملاحظہ کیجئے۔

کیوں نہ دل کو ہو محبت مرثیہ خوانی کے ساتھ
کربلا تک آ گئے ہم کتنی آسانی کے ساتھ
اُٹھ گئے شبیر لیکن کاوشِ شبیر سے
ربط باقی رہ گیا سجدے کا پیشانی کے ساتھ
آگ تو کیا چیز ہے ہم دوست دارانِ حسین
دھار پر خنجر کی چل سکتے ہیں آسانی کے ساتھ
نوکِ نیزہ پر سرِ سرور نہیں اے دوستو
ضوفگن ہے مہر اپنی پوری تابانی کے ساتھ

("بیوت الجناں" صفحہ ۱۴۵)

میں نہ کوئی شاعر ہوں نہ کوئی ادیب۔ البتہ محمدؐ و آلِ محمدؑ کے ثنا خوانوں کا ایک ادنیٰ سا چاہنے والا ہوں۔ میری اتنی علمی و ادبی استعداد کہاں کہ میں کسی شاعر کے کلام پر تبصرہ کروں یا اس کا کوئی تنقیدی جائزہ لوں۔ یہ میرا منصب نہیں ہے میں تو ہر شاعر کے اچھے شعروں کی قدر کرنے والا ہوں۔ "بیوت الجناں" اور "مآثر" کو پڑھتے ہوئے ان گنت شعروں پر بے ساختہ تعریف کرنے کو جی چاہا کون ہوگا جو ان شعروں پر داد نہیں دے گا مختلف اشعار ملاحظہ کیجئے۔

بہت آسان ہے صلِّ علیٰ کا ورد کر لینا
بہت مشکل ہے دل سے یا محمد مصطفیٰؐ کہنا
کہتے ہو مانگنے کا سلیقہ نہیں مجھے
ہونٹوں تک آگیا ہے کلیجہ دعا کے ساتھ

دربارِ محمد کا ہوں نقاشِ چُنیدہ
کیا مانی و بہزاد کا رتبہ مرے آگے

حُرؑ کر رہے ہیں ہم کو عطا علم و آگہی
ضو دے رہا ہے سایۂ دیوار دیکھئے

لب پہ ذکر مصطفیؐ اور دل میں اکبرؑ کا خیال
آئینے کو آئینے کے روبرو کرتے ہیں ہم

اگر یزید کو تسلیم آدمی کیجئے
تو پھر بتانا پڑے گا کہ آدمی کیا ہے

رفیق رضوی صاحب کے کلام میں اس طرز کے بے شمار شعر مل جائیں گے۔ میری دعا ہے کہ خداوند کریم اُن کے افکار کو اور روشن کرے اور ان کے اشعار میں مودّتِ اہلبیت کا اخلاص اور فزوں تر کردے۔

حکیم سید عرفان حسین رضوی

۲ مئی ۱۹۹۶ء

محترم جناب سیّد مشرّف حسین زیدی صاحب

محترم رفیق رضوی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا عنایت کردہ مجموعہ کلام "مآثر" اور "بیوت الجناں" ملا جس کو پڑھنے کا شرف حاصل ہوا آپ نے عزت بخشی جس کے لئے میں ممنون ہوں موجودہ زمانے میں اگر ادب سے متعلق کچھ میسر ہو جائے

تو اس سے اچھا اور کیا تحفہ ہو سکتا ہے۔ ہم نے تو ایک ایسے تہذیبی اور عزائیہ ماحول میں آنکھ کھولی جہاں سادات باہرہ ضلع مظفر نگر میں پچپن سادات کی بستیاں ایسی تھیں جہاں ہر چھوٹی یا بڑی بیٹھک میں صبح گیارہ بجے سے ڈیڑھ بجے دوپہر تک ہمارے بزرگ حضرات میرانیس، مرزا دبیر اور مقامی اساتذہ کے مرثیے پڑھا کرتے تھے کبھی کبھی تو ایسا بھی دیکھا کہ بزرگ حضرات تنہا خود ہی مرثیہ پڑھ لیتے اور ساتھ ہی ساتھ روتے بھی جاتے وہ دور بھی ادب کا دور تھا۔ یہ ہماری نوعمری کا زمانہ تھا ہم بھی اُن کے پاس باادب بیٹھ جایا کرتے تھے خاموشی سے اُن کو سنتے اس سننے کے عمل میں ہماری ذہنی تربیت بھی ہوتی۔ زبان سمجھ میں آتی تہذیبی قدروں کو دیکھ کر دل کی جھولی میں مال و متاع کا اضافہ بھی ہوتا۔ اردو سے محبت پیدا ہوتی۔ ہمیں جن الفاظ کے معنی نہیں آتے تھے اُن سے پوچھ لیتے۔

واقعہ کربلا نثر میں ہو یا نظم میں میرے نزدیک اس کا لکھنا اور سننا عبادت ہے نظم میں ماہرینِ فن سمندر کو کوزے میں بند کر دیتے ہیں۔ جس کی تعریف کے لئے نثر میں کافی وقت چاہئے۔

میرانیس اور مرزا دبیر اور آج تک کے مرثیہ نگاروں کا اردو ادب پر بہت بڑا احسان ہے اگر مرثیہ نہ ہوتا تو اردو ادب میں بہت سے الفاظ محتاجِ تشریح رہ جاتے۔ جہاں تک شاعری کا تعلق ہے وہ تو ماہرینِ فن و شعر حضرات ہی تنقید کر سکتے ہیں اور میں ماہرِ فن نہیں ہوں پھر بھی ایک سامع کے طور پر میری رائے یہ ہے کہ واقعہ سے خیال کا حسن پیدا کیا جائے، اظہار سہل ہو اور الفاظ کا استعمال ایسا ہو کہ فضائل اور مصائب کا اثر ہو اور وہ سب کچھ آپ کے یہاں بھرپور ہے۔

حضرت علامہ محسن اعظم گڑھی کے نام نامی سے اہلِ قلم واقف ہیں یقیناً آپ کی شعر گوئی کی تربیت میں اُن کا بڑا ہاتھ ہے۔ اُنھیں کے دامنِ تربیت میں آپ نے اپنے فن کے درخت کو پروان چڑھایا۔ قصیدہ مشکل فن ہے اور اس میں عمیق خیالات پوشیدہ ہوتے ہیں۔ زبان بھی آراستہ ہوتی ہے۔ آپ کے یہاں یہ سب باتیں پورے حسن کے ساتھ موجود ہیں۔ آپ کے مرثیوں کا گداز دل کو کھینچتا ہے۔ سلاموں میں بھی بڑا کیف ہے آپ نے "بیوت الجناں" اور "مآثر" شائع کرکے زبانِ ادب کے شائقین پر بڑا احسان کیا ہے کہ انھیں اشعار کا اتنا اچھا مجموعہ جو کہ پڑھنے کو ملا اور آپ کے مجموعے کے نام میں یہ حقیقت پوشیدہ ہے کہ یہ اشعار نہیں ہیں بلکہ ہر شعر کے صلے میں بیتِ جنت کا دروازہ کھلا ہوا ہے یہ واقعی بیوت الجناں ہیں۔

اللہ آپ کی عزت و شرف میں اضافہ فرمائے۔

فقط والسلام

مشرف زیدی

محترم جناب آغا علی کاظم صاحب جنرل سیکریٹری

فیڈرل گورنمنٹ آفیسر (ریٹائرڈ) سوشل ویلفیئر سوسائٹی

جناب رفیق رضوی صاحب ایم اے۔ ایل ایل بی کے دو مجموعے زیرِ نظر ہیں۔ "مآثر اور "بیوت الجناں"۔ "مآثر میں زیادہ تر قصیدے ہیں۔ اس لئے اسے مجموعۂ قصائد کہنا زیادہ مناسب ہوگا اور "بیوت الجناں" میں مرثیہ اور سلام ہیں اس لئے اسے مجموعۂ مراثی کا نام دیا جاسکتا ہے۔

دونوں مجموعوں کے سرِ ورق پر جنت البقیع کی یادگار تصویریں ہیں۔ مومنین کے لئے اس سے زیادہ قیمتی تحفہ نہیں ہو سکتا کیوں کہ اب جنت البقیع جس حالت میں ہے اسے دیکھ کر ہماری آنکھیں خون کے آنسو رونے کے علاوہ اور کچھ کر نہیں سکتیں۔

محترم پروفیسر سید زین العابدین صاحب نے کہا ہے کہ رضوی صاحب مقلّد ہیں غیر مقلّد نہیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ رفیق رضوی صاحب روایتی شاعر ہیں روایت سے الگ ہونا نہیں چاہتے اور جدیدیت کی طرف مائل نہیں ہیں اور یہ حقیقت بھی ہے لیکن باوجود اس کے کہ موصوف نے روایت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے ان کے قصیدوں میں تشبیب تو ہے مگر روایتی گریز سے انھوں نے ہمیشہ گریز کیا ہے اور مدح تو کرتے ہیں لیکن دعاء سے ہاتھ اٹھالیتے ہیں۔

ان کا ایک قصیدہ جو امیر المومنین علیہ السلام کی شان میں ہے اس طرح شروع ہوتا ہے۔

مائلِ دل نہیں یعنی گرا ہے چشمِ مضطر سے
لڑاتا ہے مگر آنکھیں یہ آنسو حوضِ کوثر سے

چند اشعار کے بعد تقریباً ۱۸ اشعار ہیں جن میں ان چیزوں کا ذکر کیا ہے جو مختلف لوگوں یا اشیاء سے چھینی جانے والی ہیں مثلاً ضیا مہتاب سے، آنسو شبنم سے۔ آگ پتھر سے، تفکّر اہلِ فارس سے، نوادر شہرِ بابل سے۔ بھنور سدِ سکندر سے وغیرہ وغیرہ غرض یہ ہے کہ دنیا کی شاید ہی کوئی ایسی چیز ہو جو کسی نہ کسی سے چھین نہ لی گئی ہو۔ یہ التزام یقیناً جدت ہے اور اس کا شمار صنائع اور بدائع میں ہونا چاہیئے۔ رضوی صاحب نے اشعار کے نظم کرنے میں بڑی زحمتیں اٹھائی ہوں گی۔ مگر یہ ماننا

پڑے گا کہ ان اشعار میں سلاست اور روانی اپنے پورے شباب پر ہے کسی شعر میں نہ جھول ہے نہ تعقیدِ لفظی۔ اسے شاعر کا بڑا کارنامہ سمجھا جائے گا۔ مرثیوں میں بھی وہی روایتی انداز ہے لیکن سلاست اور فصاحت میں رضوی صاحب نے فرق نہیں آنے دیا ہے۔

آغا علی کاظم

جناب حافظ محمد اعجاز خان صاحب اختر اکبر آبادی ایم اے

منظوم ہدیۂ تہنیت برائے "مآثر" و "بیوت الجنان" جناب رفیق رضوی صاحب مصنف

لفظوں کے بانکپن میں مآثر کو دیکھئے
کاغذ کے پیرہن میں مآثر کو دیکھئے
صفحے نفیس تر ہیں، کتابت حسین ہے
جنت ادا یقین نہیں بالیقین ہے
پڑھ پڑھ کے اس کتاب کو کچھ ایسے کھو گئے
سارے تکدرات کے ملبوس دھو گئے
ہاں دوستو! یہ نقد و نظر سے بلند ہے
حق یہ کہ یہ کتاب تو مولا پسند ہے
واللہ یہ کمال مآثر میں دیکھئے
ماضی کی ہر مثال مآثر میں دیکھئے

اختر مجھے بھی تصرفِ شعورِ نظر ملا
جو حرف بھی ملا وہ سمندر اثر ملا

ذی علم بن چمن میں بیوت الجناں کو دیکھ
معیارِ علم و فن میں بیوت الجناں کو دیکھ

حافظ محمد اعجاز خاں اختر اکبر آبادی
۲۷ جولائی ۱۹۹۵ء

از عزیزم جناب پروفیسر سیّد سبطِ جعفر زیدی صاحب
رفیق رضوی اور لکھی آن لکھی

ا۔ رفیق رضوی صاحب سے میری واقفیت و شناسائی ربع صدی پر محیط ہے میں والد گرامی قبلہ گاہی راہی جہانگیر آبادی صاحبؒ کے ساتھ محافل میں جاتا تھا تو دیگر علماء و شعرا کے علاوہ موصوف کی زیارت و ملاقات اور سماعت سے بھی مشرف و مستفید ہوا کرتا تھا۔ میں نے ہمیشہ ہی سے انھیں مہذب و نفیس اور نستعلیق و شفیق، خلیق و منکسر المزاج سا انسان پایا ہے اور ان صفات و خصائص میں توارث و ماحول و تربیت کا بھی گہرا اثر ہے ساتھ ہی میں نے انھیں ہر فنکار و شاعر کی طرح حسّاس و زود رنج بھی پایا پھر اپنی خوددار و محتاط طبیعت کی وجہ سے ان میں کبھی کبھی جھنجھلاہٹ بھی دیکھی اور یہ ناراضی و منتشر مزاجی کبھی فطری و غیر ارادی ہوتی اور کبھی "ضرورتِ شعری" کے تحت جس طرح شریر بچے کی تنبیہ و تاکید اور اصلاح و تادیب کے

لئے بزرگوں کو اظہارِ ناراضی و ناپسندیدگی کے لئے بناوٹی غصہ بھی کرنا پڑتا ہے تو اس حکمت و مصلحت اور ضرورت کے تحت انھیں میں نے کسی نامناسب یا خلاف طبیعت کسی بات یا مزاج کے خلاف کسی واقعہ پر محفل، اہلِ محفل، بانی یا کسی اور شخص پر گرجتے برستے بھی دیکھا اور انھیں بدمزاج یا تُندخو سمجھنے لگا درانحالیکہ فی الواقع یہ گمان و قیاس اور سوءِ ظن ان کے مزاج و طبیعت اور انسانی فطرت و نفسیات سے ناواقفیت کی وجہ سے تھا۔ ان کی کم آمیزی، خوددار طبیعت اور محتاط روی کو اب بھی اکثر ناواقف حضرات تُنک مزاجی یا بددماغی پر محمول کرتے ہیں لیکن جو آپ کو قریب سے جانتا ہے یا آپ کی تحریر تک رسائی رکھتا ہے وہ اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ آپ "اشراف" کی صحبت اُٹھائے بزرگوں کی قابلِ قدر اخلاقی و تہذیبی اقدار اور روایات کے امین اور وضعدار انسان ہیں جو ان کی طرف ایک قدم بڑھائے دس قدم آگے بڑھ کر جُھک کر اس کا استقبال کرتے ہیں اور جو ان سے تھوڑی سی نگاہ بھی چُرائے یا پہلو بچانے کی کوشش کرے یہ اُس سے کوسوں دور بھاگ جاتے ہیں غریب کی بے توجہی اور عام آدمی کی بے اعتنائی تو نظرانداز کر سکتے ہیں صاحبِ ثروت یا "بڑے آدمی" کی معمولی سی چوک، ترکِ اولیٰ یا اغماض برداشت نہیں ہے ایسے لوگوں کے لئے آپ بدمزاج و تُندخو انسان ہیں اور نقل مکانی و ہجرت کے نتیجہ میں "ایسے ویسے ہو جانے والے ہر معزز و صاحبِ حیثیت انسان کا رویہ نودولتیوں" کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیئے معاشرتی و اخلاقی اقدار کے تیزی سے بدلنے والے رجحان اور اس مادّی و ظاہر بیں معاشرہ میں ایسے سر پھروں کا وجود (خواہ محدود ہی سہی مگر) غنیمت ہے۔ خلوت

میں بڑے لوگوں سے ان کا برتاؤ کیا ہوتا ہے یہ بات ابھی تحقیق طلب ہے کہ میرا ذاتی مشاہدہ و تجربہ ان کی بابت اس سلسلہ میں کوئی نہیں ہے تاہم عوامی و ظاہری طور پر میں نے انھیں عامتہ الناس میں منکسر المزاج اور متکبرین میں محتاط و سخت گیر ہی پایا ہے۔

۲۔ میں نے انھیں چھوٹی بڑی ہر طرح کی محفل میں خواہ و چار افراد پر مشتمل ہو یا چار سو پر ایک ہی طرح اور روایتی وضع پر ثابت قدم پایا ہے مجمع اور محفل کا مزاج جانتے ہوئے بھی محفل و حاضرینِ محفل کی ضرورت، بانیٔ محفل کی خواہش اور اپنی ذاتی آنا کی تسکین یا اپنی صوابدید ان سب کا لحاظ و پاس رکھنا بڑا مشکل ہوتا ہے بانیٔ محفل بڑے اہتمام و اصرار سے شاعر کو بُلاتا ہے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ ہر شاعر خوب خوب دل کھول کر جم کر پڑھے شاعر کو اگر سننے سمجھنے اور سراہنے والے ہوں تو خود اس کی خواہش بھی یہی ہوتی ہے لیکن مجمع یا محفل میں ہر شاعر کو سننے کی خواہش، للک، تڑپ یا براوشت اور تاب نہیں ہوتی مجمع کی اکثریت اور عام آدمی اپنے کسی مخصوص شخص، بانیٔ محفل یا "مالِ مجلس" (نیاز، نذر وماحضر) کے لئے یا رسم و روایت اور عادت و مصلحت کے تحت آ بیٹھتا ہے بالعموم محافل میں اکثریت کا عالم یہی ہوتا ہے اور لوگ بالعموم یہی چاہتے ہیں کہ محفل جلد ختم ہو تو وہ گھر یا دوسری منزل پر پہنچیں۔ ایسی صورت میں غیر متوجہ یا بیزار مجمع کو متوجہ اور مائل و ملتفت کر کے کچھ سننے سُنانے پر راضی کر لینا بہت مشکل فن ہے۔ اس کے لئے تین چیزوں میں سے دو کا ہونا بہت ضروری ہے وہ یہ ہیں۔ (I) شخصیت مضبوط جاندار ہو، (II) کلام و پیغام جاندار و شاندار ہو یعنی کلام اور ادائیگی دونوں بہتر ہوں اور (III)

اس شخص کے تعلقاتِ عامّہ (R.R.)۔ ظاہر ہے کہ تینوں صفات یکجا ہونا ذرا مشکل ہیں لیکن دو سے بھی کام چل جاتا ہے رفیق صاحب اگرچہ ان ساری شرائط کو تو پورا نہیں کرتے مگر کیسا بھی خاموش ناموافق و ناراض اور غیر مجلسی مجمع اور ناسازگار ماحول ہو موصوف اسے مائل کر لینے کا ہُنر جانتے ہیں اور کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ کلام پیش کرنے کا فن انھیں خوب آتا ہے پچاس افراد کے مجمع پر نگاہ ڈالتے ہی یہ جان جاتے (بلکہ تاڑ لیتے) ہیں کہ ان میں سخن فہم کتنے ہیں انھیں معلوم ہے کہ تیسرا، سترھواں، بتیسواں اور سینتالیسواں آدمی انھیں سُننا چاہتا ہے پوری محفل سے ان چار افراد کو اپنا مخاطب و سامع قرار دے کر بقایا کی پرواہ کئے بغیر یہ اس توازن اور مہارت کے ساتھ اپنا کام انجام دے ڈالتے ہیں کہ بانیٔ محفل بھی خوش ہو جائے ان کی بھی تسکین و تسلی ہو جائے محفل کی نافہم غالب اکثریت بھی ناراض نہ ہو۔ بھری بھری محفل میں آواز کی سمت کا اندازہ کرکے ہر شخص کی داد پر بغیر نگاہ ڈالے بھی فرداً فرداً ہر شخص کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ہر فرد کو اس کی رسید دیتے ہیں یہ بہت مشکل کام اور انفرادی صفت ہے جو میں نے کسی دوسرے شاعر یا فنکار میں نہیں دیکھی۔

بہر حال بیک وقت ذاتی تسکین، بانیٔ محفل کی خواہش کا احترام، قدر شناس مستعد و متوجّہ اور مشتاقِ سماعت سامعین کا لحاظ اور محفل شناسی، ہر طبقہ کے سامع کو ساتھ لے کر چلنا حسبِ ضرورت بات سے بات نکالنا، کلام سے کلام کو مربوط کرنا، توضیح طلب نکات کی تشریح اور وضاحت کرتے رہنا جہاں ضروری ہو وہاں تنبیہ و تادیب (ڈانٹ ڈپٹ) کرنا پھر ہر شریکِ محفل پر نظر رکھ کر اس کو اس کی داد کی

رسید دینا یعنی ACKNOWLEDGE کرتے رہنا ایسے اوصاف ہیں جو مجموعی طور پر کسی ایک شخص میں اس احقر راقم الحروف نے تو بہرحال نہیں دیکھے حالانکہ اُسے ہر طرح ہر محفل اور ہر فن کے فنکاروں کو دیکھنے سننے اور شرکت و مشاہدہ کا موقع ملا ہے۔

۳۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ آپ کو پارٹی بازی سے دلچسپی تو رہی ہے مگر قبلہ محسن اعظم گڑھی صاحب مرحوم کی سخت نگرانی اور تعلیم و تربیت کی وجہ سے اور پھر ذاتی وجوہات اور مجبوریوں اور مخصوص مزاجی کیفیت و حالات نے بھی اس کی مہلت نہیں دی ورنہ تھوڑی سی بھی نمی میسر آتی تو زمین بڑی زرخیز تھی۔ چنانچہ عمر (ا) کے آخری حصہ میں آکر بالآخر ایک گروپ جوائن کر ہی لیا یوں اپنی زندگی بھر کی غیر جانبداری کو برقرار نہ رکھ سکے۔

رزقِ حلال میں ذرا تنگی ترشی اور تلخی سی تو ظاہراً ہوتی ہے مگر قلبی سکون و حقیقی راحت بہرحال میسّر آتی ہے اور اولاد بھی سعید ہوتی ہے یوں آپ نے خود بھی اپنی نشوونما اور پرورش میں شامل رزقِ حلال کا مظاہرہ اور حق ادا کیا کہ اپنے معنوی والدِ گرامی و استادِ محترم کے آثار کو باقی رکھنے کی سعی کی اور امامؑ کے فرمانِ مبارک کے مطابق اپنے آثار و باقیات الصالحات میں جو صدقاتِ جاریہ چھوڑے جا رہے ہیں ان میں سعید اولاد اور دینی و علمی اور ادبی کتب اور خدمات و آثار شامل ہیں جس کے لئے ان کی اہلیۂ محترمہ اور اولاد بھی مبارکباد و شکریہ کے لائق ہیں ورنہ ریٹائرڈ آدمی جو کسی قدر معاشی و سماجی مسائل کا شکار ہو اور کچھ ذمہ داریاں اور فرائض بھی باقی ہوں وہ ایسی غیر مادّی غیر منفعت بخش سرمایہ کاری بقائمی، ہوش و حواس بہرحال نہیں کر

سکتا۔ اہلِ خانہ بھی ضروریاتِ ظاہری و مادّی بلکہ آسائشات و تعیشات کی فراہمی پر زور دیتے ہیں چنانچہ بڑے بڑے صاحبانِ ثروت کے ورثاء ایسے موجود ہیں جو اپنے باکمال بزرگوں کی مادّی دولت اور اثاثہ جات کے تو وارث بنے لیکن دینی و علمی میراث کی حفاظت نہ کرسکے اور یہ علمی اثاثے اور ذخیرے ضائع ہوگئے تجمل لکھنوی مرحوم کا کلام بھی آج تک تشنۂ طباعت ہے؟ ایسے عالم میں اپنا اور اہلِ خانہ کا پیٹ اور تن من کاٹ کر مجموعۂ کلام شائع کرنا پھر اسے ہدیہ کرنا اور استقامت و مستقل مزاجی سے اس کارِ خیر کو جاری رکھنا موجودہ مادّی دور میں دماغی خلل یا عاقبت نا اندیشی ہی قرار دیا جاتا ہے جب کہ درحقیقت عاقبت اندیشی یہی ہے۔

۴۔ رفیق رضوی صاحب کی شخصیت پر اظہار خیال (۲) کا حق دراصل ان حضرات کا ہے جو آپ سے زیادہ قریب رہے ہیں۔ بفضل تعالیٰ ابھی ایسے بزرگ احباب اور ان کے ہم عمر رفقاء اور اعزہ موجود ہیں جو بہتر طور پر ان کی شخصیت کے بارے میں جانتے ہیں اسی طرح آپ کی خدمات اور علمی و ادبی حیثیت و مقام پر بھی لکھنے والے ماشاء اللہ بڑی تعداد میں موجود ہیں میں کسی بھی طرح خود کو اس کا اہل اور مکلف نہیں سمجھتا کہ ان کی شخصیت یا خدمات پر رائے زنی یا اظہارِ خیال کرسکوں۔ یہ محض ان کی ذرّہ نوازی و عزت افزائی ہے جو مجھ احقر کو نہ صرف اپنی اور معنوی والد و حقیقی استادِ گرامی قدر کی تصانیف و مجامعِ عطا فرماتے رہے بلکہ اظہارِ خیال کی بھی دعوت دی میں ان کی زیادہ تعریف و توصیف اس لئے بھی نہیں کرنا چاہتا کہ ان کا موجودہ (۳) حلقۂ اثر و سماعت ان کی اس بندہ پروری کو بنظرِ استحسان

نہ دیکھے گا اور محض میری تائید و توثیق یا حمایت و توصیف سے ان کی شخصیت و حیثیت خود اپنے حلقۂ واقفیت میں مشکوک و متنازعہ ہو جائے گی تاہم موصوف کی تازہ ترین تصنیف "لکھی آن لکھی" اس وقت میرے زیرِ مطالعہ ہے بلکہ سچ پوچھیں تو یہ ان کی ایسی معرکتہ الارا تصنیف اور اپنی طرز کی منفرد کتاب ہے جس میں سیکڑوں کتب اور بہت سی ذی علم شخصیات اور صحبت اخیار سے استفادہ کا نچوڑ اور کشید آپ کو تاریخ و ادب، دین و مذہب، سیاست و ثقافت، معاشرت و مافوق الفطرت دیو مالائی افسانوی قصہ کہانیوں سے لے کر سماج و معاش کی نازک و حساس تلخ حقیقتیں بھی مل جائیں گی یہ ایک ایسے فرد کی سرگزشت، آپ بیتی اور جگ بیتی ہے جس نے زندگی کا ہر رخ، ہر پہلو، ہر رنگ اور نشیب و فراز بڑے قریب سے دیکھا ہے جس نے بدلتی قدروں اور بدلتی نظروں کا مشاہدہ و تجربہ اور پھر بے لاگ تجزیہ کیا ہے۔ سچ اور حق کتنا ہی سخت اور تلخ خواہ اپنے ہی خلاف کیوں نہ ہو بڑی جوانمردی و صاف گوئی اور بیباکی و پامردی سے اس کا اعلان و اظہار کیا ہے بہت سے تلخ حقائق جن کا اظہار ضروری نہ تھا اور چاہتے تو چھپا جاتے کوئی اجاگر کرنے والا یا انگشت نمائی و نشاندہی کرنے والا نہیں ہے اور جسے لوگ چھپا ہی لیتے ہیں آپ نے بڑی جرأت و ہمت کے ساتھ اس کا بیان کیا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خیالات اور اس کے اظہار پر آپ کو کوئی کنٹرول یعنی گرفت نہیں رہی اور بے اختیاری کیفیت میں خیالات و جذبات کی رو میں جو کچھ دل و دماغ میں آتا جا رہا ہے عقل و دماغ کا پہرہ یا مصلحت پسندی کی چیک پوسٹ سے گزارے بغیر سینسر سے پاک جوں کا توں براہ راست قرطاس پر منتقل ہوتا جا

رہا ہے چنانچہ خیالات اور بیان میں تسلسل کی بجائے مختلف و متنوع موضوعات و منتشر خیالات و احساسات کا سیلِ رواں ہے جو بہے جا رہا ہے اگرچہ کوئی ایک موضوع یا تسلسل نہیں ہے مگر روانی اور عبارت کی دلچسپی میں ذرا بھی جھول یا کمی نہیں ہے آپ میں ایک اچھے داستان گو، کہانی نویس، ڈرامہ نگار، ادیب و انشاء پرداز اور شاعر و فلسفی کی صفات بیک وقت موجود ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اتنا مواد آپ کو کسی ایک کتاب یا شخصیت میں بہر حال نہیں ملے گا۔

کہتے ہیں مولوی یا مزاح نگار اور شاعر اگر ہوشیار ہو تو خواہ کچھ ہی کہتا پھرے پکڑ میں نہیں آتا یہی وجہ ہے کہ ہوشیار شاعر اور چالاک مولوی ایسے ایسے نازک و حساس سیاسی متنازعہ معاملات و موضوعات پر خراب سے خراب اور بد ترین مراشل لاء میں بھی رائے زنی اور تنقید کرتا رہتا ہے کہ ذرا سی چوک ہو جائے تو "اندر" ہو جائے یہ وصف رفیق صاحب میں بھی بدرجہ کمال موجود ہے کراچی کے ماحول کی تبدیلی و خرابی میں پہاڑی اور شمالی دیو، بھوت پریت اور چڑیلوں کا کردار اور فوج کشی کے منفی اثرات نیز معاشی بدحالی اور سماجی انصاف و معاشرتی عدل کی بجائے ناانصافی و ناہمواری بنیادی حقوق و تحفظات کی عدم فراہمی اور لاقانونیت و بیروزگاری جیسے موضوعات پر جس طرح آپ نے محتاط و غیر محسوس طریقہ پر روشنی ڈالی ہے وہ آپ کی فکری مہارت اور شعری ریاض ہی کا کمال ہے آپ نے بہت سے سماجی مسائل کی نشاندہی کر کے ان کے اسباب و عوامل اور محرکات پر روشنی ڈالی اور حکمرانوں سیاستدانوں کی غلط پالیسیوں پر اپنا احتجاج بھی محفوظ (ریکارڈ) کرا دیا تاکہ کل کا مورخ یا ناقد پرانی نسلوں اور اس دور کے

مفکروں، ادیبوں، دانشوروں اور اپنے بزرگوں سے شاکی نہ رہے۔

"لکھی آن لکھی" یقیناً اپنی طرز کی اردو زبان و ادب میں منفرد کتاب ہے جس میں ہر عمر ہر طبقہ اور ہر مزاج کے قاری کے لئے کچھ نہ کچھ بلکہ بہت کچھ مواد موجود ہے کیا ہی اچھا ہوتا جو تاریخی واقعات و حالات کے ماخذ و مصادر بھی حاشیہ پر یا قوسین میں درج کر دئے جاتے بعض مقامات پر اس قسم کے حوالوں اور شہادتوں کی ضرورت بڑی شدّت سے محسوس ہوئی ہے۔

بہر حال گزشتہ تمام مجامِع کے علاوہ آپ کی زیر نظر کتاب جو پہلا حصّہ ہے وہ ایک قابلِ قدر اضافہ ہے جس کے دوسرے حصّہ کا انتظار شدّت سے رہے گا خدا آپ کو صحت و فرصت اور مہلت و استطاعت عطا فرمائے اور آپ کے اہلِ خانہ کو اس ایثار و قربانی کی مزید ہمت و استقامت (بالفاظِ دیگر صبرِ جمیل) عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ یا رب العالمین بحق جملہ معصومین علیہم السلام۔

(یہ تبصرہ ایک ہی نشست میں قلمبرداشتہ تحریر کر دیا ہے فکری و تحریری ہر دو سہویات و اغلاط اور ممکنہ اختلافات کی پیشگی معذرت)

نوٹ: میں پروفیسر صاحب سلمہٗ کی تحریر کو بھی دیگر گرامی قدر حضرات کی موصولہ آراء کی طرح موخر کرنا چاہتا تھا کیوں کہ حسین سے حسین شے کی زیادتی بھی بے لطفی پیدا کر دیتی ہے لیکن اس تحریر میں جذبات کے بے پناہ دھارے خیالات کے پھول بن جانے والے انگارے، اظہار کی پھبن اور بیباکی کی چبھن نے اسی کتاب میں اشاعت کا استحقاق ثابت کر دیا۔

وضاحت طلب تو اس میں بہت سے نکات ہیں تاہم چند مندرجہ ذیل باتوں کی وضاحت بہت ضروری ہے۔

پیرا نمبر ۳ نشان (۱) : یہ پروفیسر صاحب کا سوءِ ظن ہے مجھے قطعی اس سے اختلاف ہے ضعیفی ایک انتہائی احساسِ تنہائی کا نام ہے اپنے ہم عمروں میں نہ بیٹھوں تو کہاں بیٹھوں ورنہ سلسلہ خوب جلتے ہیں کہ آج بھی

با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

پیرا نمبر ۴ نشان (۲): یہ بات تو انتہائی محبت میں کہی گئی ہے لیکن محترم کے حافظے میں شاید "مآثر محفوظ نہ رہی ہو جس میں برادرم علامہ شفیق رضوی صاحب کے دو مضامین مطبوعہ روزنامہ "حریت" مورخہ ۱۹ فروری ۱۹۹۳ء اور ۱۵ اپریل ۱۹۹۳ء کی تلخیص اور پروفیسر سید زین العابدین عابدی صاحب کے خیالات پیش کئے گئے نیز موجودہ کتاب میں بھی زیادہ تر تحریریں معتبر کرم فرماؤں کی ہی ہیں یعنی میرے معاصرین تو کچھ نہ کچھ اپنا حق ادا کر چکے۔ اب تو دیکھنا یہ ہے کہ پروفیسر صاحب اور اُن کے معاصرین کہاں تک بزرگوں کے خیر خواہ ہیں۔

پیرا نمبر ۴ نشان (۳): یہ صرف پروفیسر صاحب کا گمان ہے۔

اس تبصرہ کے کچھ حصّوں کو میں نے حذف کر دیا ہے حالانکہ انھیں محذوف کرنے کا مجھے بیحد افسوس ہے۔

ناچیز اپنے قارئین کی سمع خراشی پر معذرت خواہ ہے۔

رفیق رضوی
۲۰ جولائی ۹۶ء

O

کیا اثر، تاثیر کیسی، کیا بتاؤں میں تمھیں
تیر بنجاتا ہے ہر حرفِ دعا میرے لئے
میرے چُپ رہنے کا باعث جلتے ہو دوستو
نامساعد ہے زمانے کی ہوا میرے لئے

O

یارب

میرے افکار سے ذہنوں کو منوّر کر دے
مہر کی طرح ضیاء بار مقدّر کر دے
ایک قطرہ ہوں مجھے مثل سمندر کر دے
عرفی و حافظ و صائب کے برابر کر دے
اوجِ مداحئ آلِ پیمبر دے دے
میرے معبود مجھے ذوقِ ابوذرؓ دے دے

ہاں مدد کر مری اے صبر و حشم کے مالک
ہاں مدد کر مری فردوس و اِرم کے مالک
ہاں مدد کر مری قرطاس و قلم کے مالک
ہاں مدد کر مری اے تیغ و عَلَم کے مالک
طور خوشید کا لفظوں کی صداقت دے دے
مضمحل فکر کو جبریل کی طاقت دے دے

زور، انداز، نظر، عِلم، سلاست دے دے
سنگریزہ ہوں مجھے کوہ کی عظمت دے دے

فکر کے چہرہ و ابروکو صباحت دے دے
میرے اشعار سے اشعار کو عزت دے دے
مجھ سے ہر آن تری حمد روانی مانگے
جُز ترے کون ہے، دل کس سے جوانی مانگے

میرے معبود ثناخوانِ پیمبر کر دے
ایک کم مایہ کو سعدی کے برابر کر دے
حرف کو لعل بنا، لفظ کو گوہر کر دے
حمد گوئی میں مجھے اتنا مؤقّر کر دے
کچھ نہ پینے کو دمِ تشنہ دہانی مانگے
ذہن مانگے تو فقط حمد کا پانی مانگے

فرش سے نور ملے، عرش سے تنویر ملے
سایۂ شیرِ خدا، سایۂ شبیر ملے
حمد کچھ ایسی لکھوں جس سے یہ توقیر ملے
دہر میں نام ملے، خُلد میں جاگیر ملے
صابی و مشرک و کفار کی جب ضد لکھے
ہر مورّخ مجھے معبود موحّد لکھے!

بحضورِ سرورِ کونین ﷺ

کس میں دم ہے جو نبی کی مدح خوانی روک دے
کس میں جرأت ہے جو یہ معجز بیانی روک دے
تا کُجا دیکھا کرے گا اے غلامِ مصطفیٰ
روک دے دریائے باطل کی روانی روک دے
آ رہا ہے ذہن کی جانب جو مُلکِ حرص سے
وہ توہم کا غلاظت خیز پانی روک دے

O

نہ چھیڑ بادِ حوادث ستم رسیدوں کو
ذرا سی دیر شریکِ ثواب رہنے دے
کبھی کبھی تو یہ بزمِ سلام جمتی ہے
ہمیں حضورِ رسالت مآب رہنے دے

O

مجھ کو اللہ نے یہ فکر، یہ جودت دے دی
ایک محتاج کو قارون کی دولت دے دی
میں کہ ناپید تھا ناپید ہی رہتا رضوی
زندگی احمدِ مرسل کی بدولت دے دی

کلام بغیر الف

پُرلطف، نظر زیب، حَسیں تر لکھوں
بے حرفِ الف، نعتِ پیمبرؐ لکھوں
میں ذکرِ علیؑ، قصۂ کوثر لکھوں
بے حرفِ الف مدحتِ حیدر لکھوں
وہ زورِ قلم ہو کہ بہ تیور لکھوں
تو صیفِ علیؑ، نعتِ پیمبرؐ لکھوں
جی میں ہے یہی مدح کے دفتر لکھوں
حیرت میں مگر یہ ہوں کہ کیوں کر لکھوں
مفلس کو تونگر سے تونگر لکھوں
زر پہلے لکھوں بعد میں بوذرؓ لکھوں
کس طرح سے سوئے شبِ ہجرت حیدرؑ
کس طرح سے کیفیتِ بستر لکھوں
میں شوق سے پھر خود کو سخنور لکھوں
عرفی سے قصیدے کو جو بہتر لکھوں
غمگین نہ ہو جو غمِ شہہ میں رضوی
دل لکھوں کہ کمبخت کو پتھر لکھوں

O

گرمیٔ دہر ہے کب میرے قلم کی حد میں
گرمیٔ حشر کا کس طور سے منظر لکھوں
ہے تو مشکل یہ بہت پھر بھی یقیں ہے رضوی
گر کرے میری مدد نفسِ پیمبر، لکھوں

O

بڑھا جو میں تو بڑھے حوصلے زمانے کے
تھے منتظر سرِ نعتِ نبی تک آنے کے
کجا رسول کا جلوہ، کہاں یہ قلب مرا
نصیب اتنے بلند اور غریب خانے کے
کہیں کا نام نہ لے ہم تو وہ قلندر ہیں
بہشت میں بھی بغیرِ علیؑ نہ جانے کے
پہنچ بھی جانے دے رضوی مجھے حضور کے پاس
میں جانتا ہوں وہ دامن نہیں چھڑانے کے

امامِ برحق

المدد افکارِ تازہ المدد اوجِ خیال
چاہتا ہوں آج لکھوں ایک نظمِ بےمثال
چاہتا ہوں میں رقم کرنا وہاں کی گفتگو
جس جگہ پر آج تک پہنچی نہ ہو گردِ خیال

چاہتا ہوں آج میں کرنا وہاں کا تذکرہ
ہو پرِ جبریل کے جلنے کا جس جا احتمال
بے جھجھک ہم جس جگہ کے واسطے یہ کہہ سکیں
نے طلوع و نے غروب و نے کمال و نے زوال
جس جگہ پر اُٹھ سکا ہے اور نہ اُٹھے گا کبھی
انتقال و زیست، تغیّر و تبدّل کا سوال
نامزد اُس جا سے ہوتے ہیں ہدایت کے لئے
صاحبانِ علم و حکمت، بندگانِ خوش خصال
نامزد ہادی کو کیوں کرتا ہے آخر کردگار
وسوسوں کی شکل میں اُٹھتا ہے اکثر یہ سوال

نامزد ہادی کو کیوں کرتا ہے آخر کردگار

اس لئے کہ صنعتِ صانع کا ہو آئینہ دار
یہ اگر سوئے تو سونا ہو عبادت میں شمار
ہو بہر صورت جہاں پر اس کی ہیبت آشکار
خشک لکڑی ہو کہ اس کے ہاتھ میں ہو ذوالفقار
ہو اِسے کونین کے ہر خشک و تر پر اختیار
روک دے جس جا پہ چاہے گردشِ لیل و نہار

وہ خدا کو اور نبی کو دوست رکھتا ہو ضرور
اور اُسے بھی دوست رکھتے ہوں نبی و کردگار
چُور زخموں سے بدن ہو، دشمنوں کا ہو ہجوم
باوجود اس کے نہ ہو وہ خوف و دہشت کا شکار
زندگی و موت اُس کے ہی اشارے پر چلیں
حکم پر اس کے ہو ہر امرِ خدا کا انحصار
چل نہیں سکتے ہیں ہم کیا بے امام و اولیاء
پوچھنے والے یہ ہم سے پوچھتے ہیں بار بار

چل نہیں سکتے ہیں ہم کیا بے امام و اولیاء

دوستو دشوار تو ہرگز نہیں یہ مسئلہ
آپ ہی پر چھوڑتا ہوں کیجئیے خود فیصلہ
بے مدرّس کے کہیں چلتی ہے کوئی درسگاہ
بے معلّم بھی کوئی کیا علم حاصل کر سکا
سوچنے کی بات ہے ہاں سوچئے پھر سوچئے
پا سکا منزل بلا رہبر کوئی کیا قافلہ
کیا جوارح مرضیؔ دل کے نہیں پابند ہیں
دل نہیں کیا جسم میں مثلِ امام و مقتدا

چھوڑ دے اک آن بھی گر بے ہدایت خلق کو
کیا نہ اک الزام ہوگا یہ خدا پر ظلم کا
آیۂ بلّغ نے یہ دنیا پہ ثابت کر دیا
ٹوٹ سکتا ہی نہیں تبلیغ کا یہ سلسلہ
پیش کرنا چاہتا ہوں ہادیانِ دین کا
مختصر سا اک تعارف مختصر سا جائزہ

ہیں امام اوّلیں شیرِ خدا، نفسِ رسول
سرمۂ اہلِ بصیرت جن کے در کی خاک دھول
اور ان کے جانشیں، لختِ دل زہراؑ، حسنؑ
پاک طینت، پاک فطرت، پاک سیرت، پاک تن
صبر کا کوہِ مسلسل، پنجتن کا زیب و زین
تیسرا ہادی شہیدِ کربلا یعنی حسینؑ
ساربان اہلِ حرم کا، فاتحِ کوفہ و شام
حضرتِ زین العباؑ اہلِ بصیرت کا امام
پانچویں عرشِ امامت کے درخشاں آفتاب
روشنی میں حضرت باقرؑ ہیں خود اپنا جواب
اے امام جعفرِ صادقؑ ولیٔ کبریا
السّلام اے ہادیٔ برحق، حقیقی رہنما

اہلِ ایماں کی تسلّی، اہلِ تقویٰ کا سکون
حضرتِ موسیٰ کاظمؑ ساتویں دیں کے ستون
ہیں رِضاؑ مرضیٔ داور سے زمانے کے امام
آٹھویں ہادیٔ برحق، ضامنِ ہر خاص و عام
اے نہم حجت خدا کی اے تقیؑ نیک نام
السّلام و السّلام والسّلام والسّلام
اے زمانے کے معاوں، اے نقیؑ خوش صفات
حاملِ علمِ لدنی، کاشفِ اسرارِ ذات
ہم کو جان و دل سے پیارا آپ کا ہر اک اصول
اے امامِ عسکریؑ سرمایۂ دینِ رسول
"ورثہ دارِ احمدِ مرسل امامِ آخریں
مرکزِ اہلِ تولّیٰ، منبعِ اہلِ یقیں
دیکھئے رضوی کو آ کر اب تو مولا دیکھئے!
کرب دل میں رُخ پہ زردی، نیند آنکھوں میں نہیں"

بحضورِ امیرالمومنین علیہ السلام

کیفِ مے احساس آگیں جامِ جم دل ہو گیا
میں مئے حُبِّ علیؑ پینے کے قابل ہو گیا

رفعتِ دشتِ غدیرِ خُم نہ پوچھ اے ہمنشیں
راستہ سمجھے تھے سب جس کو وہ منزل ہو گیا

O

ہم نہیں کہتے نہ ہو شیخِ حرم کا تذکرہ
ہاں مگر احد و حنین و بدر و خیبر دیکھ کر
داستانِ پاکیٔ داماں نہ کر دے بے نقاب
پاؤں پھیلاتے ہو پھیلاؤ پہ چادر دیکھ کر

O

تم منزلت جو پوچھ رہے ہو تو پھر سنو
ہوں کعبہ آشنا مری ٹھوکر میں دیر ہے
مدّاحِ نفسِ احمدِ مرسؑل ہوں اس لئے
دنیا و عاقبت مری دونوں بخیر ہے

O

خیر سے سمجھے گئے افکار سے جانے گئے
ہم غلامانِ علیؑ تیور سے پہچانے گئے
یہ علیؑ کی منقبت گوئی کا اک اعجاز ہے
شعر گو، ایسے نہ تھے رضوی مگر مانے گئے

O

جو ہوں افکارِ نازیبا، زباں کو بند رکھتے ہیں
رہیں مغموم خود اوروں کو یہ خورسند رکھتے ہیں

غلامانِ علیؑ محتاط ہر منزل پہ رہتے ہیں
سمندر ہیں مگر افعال کو پابند رکھتے ہیں

O

ظلم سے نفرت کا کچھ اظہار ہونا چاہیے
دن کو شب سے برسرِ پیکار ہونا چاہیے
آخرش طے کر کے یہ اُٹھے محمد مصطفیٰؐ
ذہنِ ناہموار کو ہموار ہونا چاہیے
ختم ہونا چاہیے اوہام کا وقتی فروغ
نوعِ انسانی کو اب بیدار ہونا چاہیے
قریہ قریہ دہر کا فردوس سے کچھ کم نہ ہو
گوشہ گوشہ اس کا جنت زار ہونا چاہیے
اس میں کھلنے چاہئیں انصاف کے رنگین پھول
اس پہ مہرِ عدل کو ضوبار ہونا چاہیے
عبد اور معبود میں کیا فرق ہے کیا ربط ہے
نوعِ انسانی کو واقف کار ہونا چاہیے
کام ہے اللہ کا اللہ کے گھر سے ضرور
اک معینِ احمدِ مختارؐ ہونا چاہیے
شوخیٔ طفلی نے دیکھا سوئے اژدر اور کہا
قوتِ بازو کا کچھ اظہار ہونا چاہیے

کیا عجب گر ہو گئی دنیا علیؑ سے منحرف
شب کو دن سے لازماً بیزار ہونا چاہیئے

قصیدہ

پھر سے ابھر کر آج وہ آیا کل جو مرا مخصوص تھا تیور
دورِ جوانی جاگ بھی اٹھ اے جوشِ جوانی میری مدد کر
پیشِ نظر اس وقت مرے سلطانِ عرب، حسنینؑ کا محور
دیکھ رہا ہوں آج میں بنتے سنگ کو پانی، موم کو پتھر
ساقیٔ کوثر، نفسِ پیمبر، فیض کا مخزن، علم کا دفتر
درد کا درماں، مردِ مسلماں، تیغ کا جوہر، فاتحِ خیبر
عرش کا پایہ، خُلد کا قاسم، خیر کا چشمہ، نور سراسر!
مجھ کو کہ حیرت آج بھی اس پر، اس کا وجود اور میری زمیں پر
نفسِ محمد، نفسِ پیمبر بعدِ نبی ہر حُسن کا محور
حاملِ تقویٰ، حاملِ جودت، مالکِ قوت، صاحبِ منبر
جانِ شریعت، آنِ شرافت، عدل کا مرکز، نُور کا پیکر
زہد کا ماویٰ، صبر کا ملجا، فکر کا مرجع، عقل کا دفتر
اس کی ادا میں حُسنِ محمد، اس کے چلن میں مرضیٔ داور
صرف اسی کی ذات سے خائف وقت کا مرحب وقت کا عنتر

بزم میں ذی قرآن و سخنور رزم میں یہ ہر جا پہ غضنفر
ذاتِ علیؑ کیا ارفع و اعلیٰ خانۂ حق اور دوشِ پیمبر
جنگِ اُحد اور مسجدِ کوفہ آج بھی ہیں اس امر کے شاہد
تیغ و ملک مدّاح ہیں اس کے برسرِ میداں برسرِ منبر

خاک کرے گا کوئی سخنور، اس کی ثنا ہر فکر سے باہر
اس کے فضائل کوہ کی صورت، اس کے مراتب ایک سمندر
صَرف و قواعد، علم طبابت، علم ریاضی، نہجِ بلاغت
اس کے جلو میں بحرِ تبحر اس کی رَوِش ایجاد کا دفتر
اس کے سخن مں لہجۂ قرآں، اس کی نظر براق سے برتر
اس کے کرم میں بخششِ خالق، اس کے غضب میں سدِّ سکندر
خواب میں اس کے درسِ جلالت، چال میں اس کی برق کا منظر
فعل میں اس کے دانش و حکمت، قول میں اس کے پھول کا جوہر
زور کہ اس کے ہاتھ کا تابع ہیچ ہے وہ ہو تیغ کہ خنجر!
فضل کہ اس کا نقشِ کفِ پا، علم کہ اِس کے قد کے برابر

لفظِ سلونی اور یہ بلندی، مدِمقابل ایک نہ ٹھہرا
نرم زباں اور گرم تاثر، لطفِ تکلّم، بات موثّر
جوش میں بھی یہ ہوش کا عالم، قتل کرے تو نسل کو دیکھے
نذر گزارے کیوں نہ دل و جاں، حُسنِ تصوّر اس کے قدم پر

اہلِ عرب اور حضرت بوذرؓ، مرحب و عنتر، حضرتِ قنبرؓ

اس کی نظر سے سنگ ہو پانی اس کی نظر سے موم ہو پتھر

اس کی گلی کے خشت کہ پتھر، پھول ہیں اُن سے وزن میں کمتر

دہر کے ہر زر دار سے اُونچا دہر میں اس کا ایک ابوذرؓ

اس کی ثنا تقدیس کی حامل، اس کی زیارت افضل و برتر

اس کی تجلی کعبۂ ایماں اس کی زراعت سبطِ پیمبرؑ

تجھ کو اگر کچھ وقت ملے تو میری نظر سے دیکھ یہ منظر

کوئے مدینہ خُلد سے افضل اور نجف فردوس سے بڑھ کر

ذاتِ علیؑ اور عیسیٰؑ مریمؑ فضل میں ہوں کس طرح برابر

اُن کا زباں سے قم کا وہ کہنا اس کی فقط اک یونہی سی ٹھوکر

اس کے مقابل اور سلیمانؑ بات ذرا کر سوچ سمجھ کر

تخت ہوا کے دوش پہ اُن کا اس کے قدم بر دوشِ پیمبر

ذاتِ علیؑ اور موسیٰؑ عمرانؑ، کس کی رسائی اور کہاں تک

نفسِ محمد عرش کا باسی، لوٹ وہ آئے طور سے جا کر

بھول گئے ہیں آپ یہ شاید، خیر سے ٹھہرے ایک جگہ پر

اس کے سبب سے نوحؑ کی کشتی اس کے سبب سے نوحؑ کا لنگر

ذاتِ علیؑ اور یوسفِ کنعاںؑ اس کا تقابل اُن سے نہ کرنا

ایک کا طالب ربِّ جلیل اور ایک بکا بازار میں آکر

عرشِ علیٰ کی دید کا طالب، خلد کی میں جاگیر کا طالب
مانگ رہا ہوں بھیک میں اس سے بھیک کی ہر توہین سے بچ کر

آج بھی، صائب، آج بھی عرفی آج بھی ہے حسان کا تیور
ذکر نے اس کے روک دیا ہے وقت کو شاید ایک جگہ پر

ہلئے رے یہ بے کیف سا منظر، ولئے رے دنیا تیری نظر پر
لقمۂ تر اور اس کا مخالف، نانِ جو۔س اور اس کا مقدّر

ذاتِ محمدؐ، ثانیٔ مریمؑ، آلِ محمدؐ، نفسِ پیمبرؐ
دہر کا ہر اک شخص گدا ہے صرف یہی کچھ لوگ توانگر

رضویؔ مدحت گو کا مقدّر رضویؔ مدحت گو کا ہے محور
حاصلِ ہجرت، فاتحِ مکہ، حاصلِ کعبہ، فاتحِ خیبر

O

جس قدر آسان ہے اتنی ہی یہ دشوار ہے
مدحتِ نفسِ پیمبرؐ معجزہ آثار ہے
رشک مجھ پر کیجئے مجھ سے حسد بیکار ہے
دوستو یہ تو عطائے حیدرِ کرار ہے

O

واللہ معجزہ ہے یہ فکر و صریر کا
خود پیر ہو گیا ہوں بہت سوں کے پیر کا
نوشیرواں سے بڑھ گیا رتبہ فقیر کا
نوکر ہوا ہوں جب سے جنابِ امیرؑ کا

رباعیات، قطعات بمطابق اقوالِ امیر المومنین علیہ السلام

ہر شخص کے افکار کو میں تول رہا ہوں
آسرار کے دریائے حسین کھول رہا ہوں
آئینے میں اقوال کے، اقوال ہیں شاہد
حیدر کی دل و جان سے جے بول رہا ہوں

فکر کے بغیر خاموشی گونگا پن ہے۔
ہم اوروں کی طرح بخ بخ نہیں کرتے سرِ محفل
ہمیں کونین کا قائد بحمدِ ہوش ہونا ہے
بفیضِ مرتضیٰؑ اچھی طرح معلوم ہے ہم کو!
کہاں پر بات کرنی ہے کہاں خاموش ہونا ہے

صبر دشمنوں کی ناک رگڑوا دیتا ہے، نیز دیگر اس سلسلہ کے بیشمار اقوال
تمہیں اے اہلِ دنیا کیا خبر تم اس کو کیا سمجھو
ہمیں کس شخص نے یہ قوتِ پیکار بخشی ہے
اگر چاہیں مصائب کا گلا ہم کاٹ کر رکھ دیں
ہمیں وہ، مرتضیٰؑ نے صبر کی تلوار بخشی ہے!

عقل اُس کے لیے زینت ہے جس کو یہ رزق عطا کیا گیا ہے۔
عقل علیؑ کے در کی بھکارن
اس کی حدوں میں ہیر نہ رانجھے
بوذرؓ و سلمانؓ، میثمؓ و قنبرؓ
عقل انہیں افراد کو سانجھے

افسوس ناچیز کو قول یاد نہیں لیکن یہ چار و مصرعہ بمطابق قولِ جناب امیر ہی ہیں۔

بات کو پہلے تول کے بولو
قندِ محبت گھول کے بولو
کون ہے مولا کون خلیفہ
ذہن کی کھڑکی کھول کے بولو

عقل مند کے لیے اشارہ و کنایہ ہی سب سے بڑی ملامت ہے۔

ہے مصحفِ ناطق کا یہ پارا کافی
انسان کو حیدرؑ کا سہارا کافی
خُم آنکھ سے اُجھل ہے تو خندق دیکھو
کہتے ہیں کہ عاقل کو اشارہ کافی

مسلم مرتضیٰؑ کی ناچپوشی
مصدق حاجیوں کی بادہ نوشی
بھلا اب اور کیا کہنے کی حاجت
"جوابِ جاہلاں باشد خموشی"

آدمی پر مال کو ترجیح دینا کمینہ پن ہے۔

سر پر ہے سحر ہوش میں آؤ لوگو
انسان کی قیمت نہ گھٹاؤ لوگو
رہ جاؤ نہ قارون کے چیلے بن کر
دولت کو اب اتنا نہ بڑھاؤ لوگو

عورتوں کا پرستار ہونا کم عقلوں کی خصلت ہے۔

مدہوش، خبردار نہ ہونا یارو
ظلمت میں گرفتار نہ ہونا یارو
ہے عقل تو کم عقل نہ بننا ہرگز
عورت کے پرستار نہ ہونا یارو

آزاد سختیوں میں گھر کر بھی آزاد رہتا ہے۔

لاریب، قسم حق کی نہ ہونا گمراہ
حُرؑ فوجِ یزیدی میں بھی حُرؑ تھا واللہ
ہو سعد کے بیٹے سے تقابل اس کا
لاحول ولاقوۃ الا باللہ

عزتِ نفس کو مال پر ترجیح دینا کرم ہے۔

یہ خوب زراعت ہے، ہٹا لو کاسہ
یہ تخم ضرورت ہے کہ بوؤ یارو
روٹی کے لئے ہاتھ بڑھانا کیسا
مر جاؤ پہ عزّت کو نہ کھوؤ یارو

باطل کی مدد کے لیے یاری و مددگاری ملامت بھی ہے خیانت بھی۔

ہاں باعثِ ازار نہ بننا ہرگز
باطل کے مددگار نہ بننا ہرگز
بے جڑ کا یہ پودا ہے سمجھ لو اس کو
تم اس کے طرفدار نہ بننا ہرگز

توبہ دلوں کو پاک اور گناہوں کو دھو ڈالتی ہے۔

جو توبہ دل سے کرتا ہے پہنچ اس کی نہ تم پوچھو
کبھی جنت میں ملتا ہے کبھی کوثر پہ ملتا ہے

زہیرؑ و حرؑ سے پوچھو، یا تو تم خود دیکھ لو آکر!
کہ کتنا لطف توبہ کا درِ حیدرؑ پہ ملتا ہے

اہلِ حکومت سے بے نیازی سب سے افضل بادشاہی ہے۔

بے نیازی کم نظر سے خوب ہے
بے نیازی مال و زر سے خوب ہے
ٹھوکروں پر مارنا اپنی طلب
کھیلنا اپنے ہی سر سے خوب ہے

بحضور جنابِ سیدہ صلواۃ اللہ علیہا

وہ نفس ہیں۔ تو جزوِ پیمبر ہیں فاطمہؑ
رتبہ میں کم سے کم ہیں تو حیدرؑ ہیں فاطمہؑ
ختم الرسلؐ سے حضرتِ مہدیؑ کی ذات تک
گہرے سمندر کا سمندر ہیں فاطمہؑ

بحضورِ امام حسن علیہ السلام

حسنؑ کا ذکر کرتے ہیں، خدا کو یاد کرتے ہیں
دلِ ناشاد کو ہم اس طرح سے شاد کرتے ہیں

نظر میں جلوۂ سبطِ نبی، صلِ علیٰ لب پر!
تملک کا کام کس خوبی سے آدم زاد کرتے ہیں

O

جنوں میں بھی نہیں ملتی ہے یادِ یار سے فرصت
کسی صورت بھی اس دریا کی طغیانی نہیں جاتی
سُناتا کس طرح ہر اک کو میں رودادِ غم آخر
غنیمت ہے مری صورت جو پہچانی نہیں جاتی
قسم معبودِ برحق کی حسن کے پلئے اقدس تک
نظر جاتی تو ہے لیکن بہ آسانی نہیں جاتی
رُخِ ابنِ علی کا تذکرہ ہے اور زباں میری
غزل سے دور رہ کر بھی غزل خوانی نہیں جاتی
خدا شاہد کہ ذہنِ منقبت گو، خشک ہو کر بھی
یہ وہ دریا ہے جس دریا کی طغیانی نہیں جاتی

O

عدوئے سبطِ پیغمبر کا کیا ہم سے تقابل ہو
وہاں اولے برستے ہیں، یہاں گوہر برستے ہیں
عداوت پر وہ مائل شہ کی ہم مدحت پہ مائل ہیں
اِدھر موتی برستے ہیں، اُدھر پتھر برستے ہیں

O

مرثیہ (۱)

رضوی سرِ صحرائے عدم اُٹھا ہے
اُٹھا ہے بہ اندازِ قلم اُٹھا ہے
رکھتا ہوا شعلوں پہ قدم اُٹھا ہے
عباس کا یہ لے کے علم اُٹھا ہے
ہشیار ہے کس درجہ بلی تک پہنچا
عزت جو تھی مقصود علی تک پہنچا

کرنا ہے پئے فخرِ خلف کرنا ہے
ہاں دل کو ذرا سوئے نجف کرنا ہے
آلاتِ مزامیر تلف کرنا ہے
سیّد ہوں مجھے کارِ سلف کرنا ہے
دینی ہے بصد شوق یہ جاں دینی ہے
طاغوت کی چھاتی پہ اذاں دینی ہے

حیدرؑ کے تعلق سے جواں ہو کہ مُسن
ڈوبا ہوا اذکار میں ہو رات کہ دن
میں جان رہا ہوں کہ ہے ایسا ممکن
دعویٰ تو نہیں چاہ رہا ہوں لیکن
تقدیر بڑھے، وجد میں مقسوم اُٹھے
مدحت ہو کچھ ایسی کہ خدا جُھوم اُٹھے

بے نام سے ذرّوں کو حشم دیتا ہے
حسّان سے شاعر کو قلم دیتا ہے
ڈوبی ہوئی نبضوں کو یہ دَم دیتا ہے
اِس مرد کو آواز عَلَم دیتا ہے
واللہ ہر اک صبح کلی کہتی ہے
کِھل اٹھتی ہے، جس وقت علیؑ کہتی ہے

کشتی کبھی ٹھہرا، کبھی ساحل ٹھہرا
بو باس میں احمدؐ کے مماثل ٹھہرا
جبریل بھی کب مدِّ مقابل ٹھہرا
قرآن کے اعداد کا حاصل ٹھہرا
ہر رنگ سے کارِ شہِ لولاک کیا
اصنام سے اللہ کا گھر پاک کیا

قرآن زباں، نطقِ پیمبر ٹھہرا
خاتونِ قیامت کا یہ شوہر ٹھہرا
پھیلا تو بہت، پھیل کے کمتر ٹھہرا
عِلم اِس کے مگر قد کے برابر ٹھہرا

دَم کیوں نہ ہو اِس نام کا دَم کرتے ہیں
ہم نوکِ قلم جب بھی قلم کرتے ہیں

اجلال کا توقیر کا حامل کہئے
افکار کا تدبیر کا حامل کہئے
تخلیق کی تنویر کا حامل کہئے
قرآن کی تاویل کا حامل کہئے

انسان تو انسان یہ جن کہتے ہیں۔!
اِس چہرۂ اقدس ہی کو دن کہتے ہیں

دشوار کو آسان بنانے والا
کافر کو مسلمان بنانے والا
بوذرؓ کو سلیمان بنانے والا
انسان کو انسان بنانے والا

مولا و مددگار، ولی کہتے ہیں
اِس مرد کو ذی علم علیؑ کہتے ہیں

اس مردِ کا مدّاح بنا دے یارب
گلہائے عقیدت کو کِھلا دے یارب
الفاظ کا رس جھک کے پلا دے یارب
بس مجھ کو یہی آب و غذا دے یارب

کب کہتا ہوں رضواں کے برابر کر دے
"میں خاک ہوں، خاکِ درِ حیدرؑ کر دے"

قرآن نُما، نفسِ پیمبر حیدرؑ
سرچشمۂ حق، صاحبِ جوہر حیدرؑ
سر تابقدم، علم کا پیکر حیدرؑ
مخلوق کی آواز ہے حیدر حیدرؑ

ایام کی نبضوں کو رواں کرتا ہے
یہ نام ضعیفوں کو جواں کرتا ہے

اک جسم نہیں، علم کا پیکر کہئے
نقطہ نہیں، قرآن کا دفتر کہئے
یہ لفظ مگر سوچ سمجھ کر کہئے
گز بھر کا اگر دل ہو تو حیدرؑ کہئے

مرحب ساجری راہِ مفر بھول گیا۔!
اس لفظ کی دہشت تھی کہ سر بھول گیا

یہ سچ ہے کہ مرحب کو پچھاڑا اِس نے
خیبر کی طرف دیکھا نہ تاڑا اِس نے
یہ جھوٹ کہ انگلی کو تھا گاڑا اِس نے
تنکے کی طرح در کو اکھاڑا اِس نے

پتھر سا جو مرحب کا بدن ٹوٹ گیا
ہر زعمِ سلاطینِ زمن ٹوٹ گیا

محراب کی جاں، حاصلِ کعبہ حیدرؑ
منبر کا شرف، عرش کا پایا حیدرؑ
مسجد کی ضیاء، دیں کا اُجالا حیدرؑ
لاکھوں وہ جفاکار، وہ تنہا حیدرؑ

اس درجہ جفا، اصلِ جفا سے پہلے
یہ کرب و بلا، کرب و بلا سے پہلے

اغیار میں وہ باغ کا بٹ کر رونا
مسجد کا وہ معصوم سے کٹ کر رونا
انصاف کا حیدرؑ سے لپٹ کر رونا
زہراؑ کا وہ گھر بار سے ہٹ کر رونا

بے جنگ کی یہ جنگ مگر بھاری ہے
اے کرب وبلا یہ تری تیاری ہے

اُمت کا وراثت سے ہٹانا دیکھو
گھر اور محمدؐ کا گھرانا دیکھو
دربار میں خاتون کا جانا دیکھو
کس طرح پلٹتا ہے زمانہ دیکھو
احمدؐ بھی ذرا دیر نہ سوئے ہوں گے
اُس روز ملک پھوٹ کے روئے ہوں گے

فضہ کی طرح چیخ کے قنبر رویا
اولادِ نبی، نفسِ پیمبر رویا
ہر قطرہ کوثر، سرِکوثر رویا
محراب کو غش آگیا، منبر رویا
مجموعہ آلام کو تن پر دیکھا!
وہ زخم جو زہراؑ کے بدن پر دیکھا

اے گردشِ ایّام یہ جرأت تیری
مجبور وہ حیدر وہ گلے میں رسّی
رُو رُو کے یہ کہتی تھی شجاعت اُن کی
کِس کِس میں طرح سے گئی جانچی پرکھی
دنیا میں رہے یا نہ مرا نام رہے
جو ہوتا ہے ہو جائے پہ اسلام رہے

ذرّوں کو ابھی کوہِ گراں ہونا ہے
سینوں کو ابھی وقفِ سناں ہونا ہے
عباسؑ کو اکبرؑ کو جواں ہونا ہے
امواجؔ کو کوثر کی رواں ہونا ہے
خیبر سے گراں تر بخدا کرنے ہیں
حیدرؑ کو فرائض جو آدا کرنے ہیں

حیدرؑ کی قسم اے مرے داور لکھ دے
شہزادیٔ کونین کا ذکر لکھ دے
ہر بحرِ تبحّرِ کا شناور لکھ دے
اِس دور کا ذیقدر سخنور لکھ دے
توقیر سے مدحت کی موقّر کر دے
حسنینؑ کا سایہ مرے سر پر کر دے

اخلاص کی موجوں پہ سفر کرتا ہوں
دن مدحتِ حیدرؑ میں بسر کرتا ہوں
ماحول کو فردوس نظر کرتا ہوں
الفاظ سے اذہان کو سر کرتا ہوں
اُٹھتا ہوں بہ اندازِ قلم اُٹھتا ہوں
عباسؑ کا اب لے کے عَلَم اُٹھتا ہوں

الفاظ کے مفہوم و معانی دیکھو
دریائے تکلّم کی روانی دیکھو
جذبات کی یہ شعلہ فشانی دیکھو
اس آگ کا بہتا ہوا پانی دیکھو

ہاں مدح سرائی کا یہ تیور دیکھو
کس شان کا سونا ہے پرکھ کر دیکھو

ہاں آؤ درِ بنتِ پیمبرؐ دیکھو
ذرّات کو خورشید سے بڑھ کر دیکھو
تخیّل کی آنکھوں سے یہ منظر دیکھو
بنتے ہوئے بے زر کو ابوذرؓ دیکھو

خالق کی محبت کا نظارا دیکھو
دیکھو وہ اُترتا ہوا تارا دیکھو

تخیّل کی موجوں نے قدم کو چوما
افکار کی قوت نے قلم کو چوما
حادث نے مسرت سے قدم کو چوما
دنیا نے درِ خُلد و ارم کو چوما

انساں نے شناعت کا قرینہ دیکھا
شبیر کی صورت میں سفینہ دیکھا

اک جسم میں ہر وصف سمٹ کر آیا
قرآن کے مفہوم کا دفتر آیا
دنیا کو نظر صاف یہ منظر آیا
خورشید بہ آغوشِ پیمبر آیا
تمجید و مودّت کا اثاثہ آیا
صد شکر محمدؐ کا نواسہ آیا

پیمانۂ الفاظ میں کوثر چھلکا
واللہ بتائیدِ پیمبرؐ چھلکا
میخانۂ توحید کا جوہر چھلکا
مجلس میں مہ و مہر کا ساغر چھلکا
فردوس سے ساقیٔ دل آرا آیا
غُل مچ گیا کوثر کا کنارا آیا

اس مے کے تصدّق میں محبت جاگی
اس مے کے توسّط سے شرافت جاگی
اس مے کی وجاہت سے وجاہت جاگی
لی اس نے جو انگڑائی تو جودت جاگی
ملبوس کا فردوس سے آنا دیکھا
رضوان نے اِس مے کا ٹھکانہ دیکھا

جبریل کے نزدیک ہے صولت والی
مومن کی نگاہوں میں مودّت والی
قرآن کے اوراق پہ عزت والی
شبیرؑ کے اطوار کی ہے متوالی
انگڑائیاں لیں خلق نے، معدوم اُٹھا
اس مے کی نزاکت پہ خدا جھوم اُٹھا

اُٹھ اُٹھ کے محبت کی گھٹائیں آئیں
تاریکئ عالم میں ضیائیں آئیں
اخلاص و مروّت کی ادائیں آئیں
فردوس کی مجلس میں ہوائیں آئیں
تھا عرش سے جس فرد کو آنا آیا
اب فصلِ مودّت کا زمانہ آیا

گلہائے عقیدت پہ جوانی آئی
ہنستی ہوئی لیلائے معانی آئی
تھی آیۂ تطہیر جو آنی آئی
قرآن کی موجوں میں روانی آئی
والعصر نے مفہومِ جلی کو دیکھا
دنیا نے حسینؑ ابنِ علیؑ کو دیکھا

ہم اہلِ مودّت کی دعائیں اُٹھیں
گیسوئے تفکر کی ہوائیں اُٹھیں
لیلائے تمدّن کی آدائیں اُٹھیں
ہر سمت سے رحمت کی گھٹائیں اُٹھیں

تہذیب، ادب، علم، قرینہ آیا
شبیرؑ نہیں بلکہ سفینہ آیا

ہاں مقصد و مقصودِ زماں ہیں شبیرؑ
کونین میں عظمت کا نشاں ہیں شبیرؑ
ہر صاحبِ اخلاص کی جاں ہیں شبیرؑ
سردارِ جوانانِ جناں ہیں شبیرؑ

ایمان کی ہیں چشم پہ ہر آن چڑھے
آغوشِ محمدؐ میں یہ پروان چڑھے

قرآنِ مکرم کا ہے پارا شبیرؑ
امواجِ شہادت کا ہے دھارا شبیرؑ
زہراؑ کی نگاہوں کا ہے تارا شبیرؑ
جبریل یہ کہتے ہیں ہمارا شبیرؑ

وہ چشم جو اس نام پہ نمناک نہ ہو
ناپاک ہے ناپاک رہے پاک نہ ہو

اطوار کو عادت کو سنوارا اس نے
افکار کو جودت کو سنوارا اس نے
گیسوئے مروّت کو سنوارا اس نے
انسان کی فطرت کو سنوارا اس نے

اسلام کو مسلمؑ سا نمازی بخشا
میدان کو عباسؑ سا غازی بخشا

دریائے کرم، بحرِ سخا ہیں عباسؑ
شاہد ہے وفا، گلِ وفا ہیں عباسؑ
خورشیدِ تیقن کی ضیاء ہیں عباسؑ
عنوانِ شفاعت بخدا ہیں عباسؑ

سرچشمۂ ایقان و یقیں ہیں عباسؑ
حیدر کی تمنائے حسیں ہیں عباسؑ

غازی ہیں، بہادر ہیں، عَلَمی ہیں عباسؑ
حقا کہ ولی ابنِ ولی ہیں عباسؑ
منجملۂ آیاتِ جلی ہیں عباسؑ
شبیرؑ کی آنکھوں میں علیؑ ہیں عباسؑ

ہر دردِ تیقن کی دوا ہیں عباسؑ
اسلام کی کشتی بخدا ہیں عباسؑ

ذی علم نہیں، علم کا پیکر عباسؑ
دریائے تبحر کا شناور عباسؑ
گلزارِ محمد کا گُلِ تر عباسؑ
جبریل سے توقیر میں بڑھ کر عباسؑ

اک آن میں کونین کی شاہی دے دے
چاہے یہ جسے شعلہ نگاہی دے دے

اسلام کی توقیر بڑھانے والا
اُٹھتے ہوئے طوفاں کو دبانے والا
اذہان پہ کونین کی چھانے والا
رفعت کو ثریا کی گرانے والا

حیدرؑ کے چمن کا گُلِ نادر عباسؑ
تلوار کی ہر کاٹ پہ قادر عباسؑ

تقدیس و تقدس کا ہے پارا عباسؑ
ایقان کا بہتا ہوا دھارا عباسؑ
ایمان کا ضوریز ستارا عباسؑ
اسلام کا مضبوط سہارا عباسؑ

مولا و مددگار، ولی ہے عباسؑ
سرتا بقدم نادِ علیؑ ہے عباسؑ

ایمان کا دل، صدق کی جاں ہے عباسؑ
باطل کی طبیعت پہ گراں ہے عباسؑ
اسلاف کی عظمت کا نشاں ہے عباسؑ
جنت ہے وہیں یعنی جہاں ہے عباسؑ
معراجِ ادب، حدِ شجاعت عباسؑ
حیدرؑ سے قوی مرد کی قوت عباسؑ

لاریب زمانے میں ہے یکتا عباسؑ
کوزے کی طرح دہر ہے دریا عباسؑ
امداد کو آیا مری مولا عباسؑ
مشکل میں پکار اٹھا جو میں یا عباسؑ
ظلمات کے پردے پہ اُجالا آیا
ساحل نے ندا دی کہ میں آیا آیا

ہاں نفسِ پیمبرؐ کی تمنا عباسؑ
ہاں حضرتِ زینبؑ کا دلاسہ عباسؑ
پیدا ہوئے جس وقت کہ مولا عباسؑ
شبیرؑ پکار اُٹھے کہ میرا عباسؑ
لینے کو قدم وجد میں مقسوم اُٹھا
دیکھا رُخِ اقدس تو قلم جھوم اُٹھا

شبیرؑ نے عباسؑ کا چہرہ دیکھا
آئینے میں مت پوچھئے کیا کیا دیکھا
شاید کسی بیٹے کا کلیجہ دیکھا
یا دشتِ بلا خیز کا نقشہ دیکھا

اُڑتے ہوئے دریا میں اُترتے دیکھا
اک مشک کا عباسؑ کو بھرتے دیکھا

افواجِ جفا کار کا منظر دیکھا
چلتی ہوئی تلوار کا منظر دیکھا
اک ظلم کے بازار کا منظر دیکھا
اک جبر کے دربار کا منظر دیکھا

بیتاب سی بچی کا بُلانا دیکھا
ہاں طشت سے اک سر کا اُٹھ آنا دیکھا

وحشت کی ہوا، خون کا دریا دیکھا
مظلوم خواتین کا چہرہ دیکھا
اک طفل کو ہاتھوں پہ تڑپتا دیکھا
اک لال کو زنجیر میں جکڑا دیکھا

منظر سے نگاہوں کو ہٹا لو شبیرؑ
ہو صبر کا سرچشمہ سنبھالو شبیرؑ

عباسؑ کو اکبرؑ کو جُدا ہونا ہے
خواہر سے برادر کو جُدا ہونا ہے
فرزند سے مادر کو جُدا ہونا ہے
خاتون سے شوہر کو جُدا ہونا ہے

ہر بات یہ اندازِ دگر کرنی ہے
اک جنگ کو بے فوج کے سَر کرنی ہے

شبیرؑ نے اک رات کا منظر دیکھا
اولاد کو بے بستر و چادر دیکھا
پھر مُڑ کے سوئے زینبؑ مضطر دیکھا
شبیرؑ نے عباسؑ کا تیور دیکھا۔!

مسرور بھی اور ساتھ ہی غمگیں ہوئے
عباسؑ مگر باعثِ تسکین ہوئے

کیسے یہ کہوں عرضِ ہُنر کرنا ہے
یہ کام نہیں بس کا مگر کرنا ہے
مشکل ہے مُہم جس کو کہ سر کرنا ہے
مجلس کی طرف مجھ کو سفر کرنا ہے

اُس ذات کے صدمات پہ رونا ہے مجھے
عباسؑ کے حالات پہ رونا ہے مجھے

اظہار کا ہمت کا قرینہ سیکھو
قوت کا شجاعت کا قرینہ سیکھو
آدابِ امامت کا قرینہ سیکھو
عباسؑ سے جرأت کا قرینہ سیکھو
ہو مانگنا جس کی کہ نہ طینت، مانگے
یہ اور ملاعین سے مہلت مانگے

طوفانِ بلاخیز میں نیا عباسؑ
رکھتے ہیں محبت کا رویّہ عباسؑ
کشتی کے محمدؐ کی کھِویا عباسؑ
زینبؑ کی ہے آواز کہ بھیا عباسؑ
ہیں یوں تو شہنشاہِ مدینہ عباسؑ
مشہور ہیں سقائے سکینہ، عباسؑ

جب مشک کا مجھ سے طلبگار ہوا
بیتاب بہت دین کا سردار ہوا
سمجھا کہ جُدا مجھ سے علمدار ہوا
گویا یہ سکینہؑ سے وہ صبّار ہوا
یہ مشک جو دیتی ہو نہ پھر پاؤ گی
عباسؑ ہوئے قتل تو مر جاؤ گی

کچھ دیر ہی گزری تھی کہ یہ شور مچا
وہ مشک بھی دوسرا بازو بھی کٹا
وہ پشت سے گھوڑے کی علمدار گرا
شبیرؑ ہیں اور پیاس کا بیحد غلبہ
جیتے ہیں پہ بے جان ہوئے جاتے ہیں
محسوس یہ ہوتا ہے موئے جاتے ہیں

عباسؑ جو اُٹھے تو عجب شور اُٹھا
شبیرؑ سے کہتی تھی یہ زینب دکھیا
یاسبطِ نبی میرا محافظ نہ رہا
مر جاتی اگر بس میں یہ میرے ہوتا
پھرنا ہے یقیں آیا کہ در در مجھ کو
اب ہونا ہے بے مقنع و چادر مجھ کو

کس طرح زمانے نے یہ منظر دیکھا
بازار میں زینبؑ کو کھُلے سر دیکھا
خود خون میں اپنے ہی اُسے تر دیکھا
جو سنگ کہیں سے بھی اُٹھا کر دیکھا
کب چشم ہے، نم جس کو نہ ہونا آیا
اس غم میں تو پتھر کو بھی رونا آیا

منظر تھا قیامت کا غضب کا گریہ
یہ قافلہ جس وقت مدینہ پہنچا
ہاں آلِ محمدؐ کا عجب حال ہوا
دل فاطمہ صغریٰ کا تو تھمتا ہی نہ تھا

رہ رہ کے وہ بیہوش ہوئی جاتی تھی
جیتی تھی مگر جیسے موئی جاتی تھی

اس درد کی تصویر کا تیور دیکھو
افسردگیٔ زینبؑ مضطر دیکھو
تاریخ کا یہ باب اُلٹ کر دیکھو
مسجد میں پیمبرؐ کی یہ منظر دیکھو

وہ شام سے مظلوموں کا آنا دیکھو
کس درجہ ہے بیدرد زمانہ دیکھو

اعلانِ شہِ دیں کی شہادت کا ہوا
عباسؑ کی مادر نے یہ اُٹھ کر پوچھا
قاصد ترا ہر قول بجا، یہ تو بتا
کیا جنگ سے عباسؑ مرا بھاگ گیا

ہاتھوں کے جُدا ہونے کا منظر دیکھا
راوی نے ضعیفہ کو تڑپ کر دیکھا

راوی نے کہا مردِ بَلی تھا عباسؑ
ہاں باپ کی تصویرِ جلی تھا عباسؑ
یہ جملہ نہ کھئے کہ ولی تھا عباسؑ
بازوئے حسینؑ ابنِ علیؑ تھا عباسؑ
مظلوم کو جب اس کا سہارا نہ رہا
شبیرؑ کو پھر جینے کا یارا نہ رہا

جنگل کی ہوائیں یہ صدا دیتی تھیں
صحرا کی فضائیں یہ صدا دیتی تھیں
معصوم ردائیں یہ صدا دیتی تھیں
روتی ہوئی مائیں یہ صدا دیتی تھیں
دلسوز رہے دہر میں دلشاد نہ ہو
گھر دشمنِ عباسؑ کا آباد نہ ہو

بے وجہ یہ کب آہ و فغاں کرتا ہوں
ہاں قصۂ جانکاہ بیاں کرتا ہوں
امواج کو اشکوں کی رواں کرتا ہوں
رضوی میں حقائق کو عیاں کرتا ہوں
جب اپنی طبیعت سے مدد لیتا ہوں
عباسؑ سے جودت کی سَند لیتا ہوں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرثیہ (۲)

التجا پر عصرِ حاضر کی قدم اٹھنے کو ہے
"ملکۂ فکرِ معظم" با حشم اٹھنے کو ہے
تیغ نے انگڑائیاں لیں، اب علَم اٹھنے کو ہے
جوش پر ہے پھر طبیعت پھر قلم اٹھنے کو ہے
ہے ضعیفی رشک کا باعث جوانی کے لئے
پھر توانائی نے بوسے ناتوانی کے لئے

سوسن و سرو و سمن میں مشورے ہونے لگے
وحدتِ فکر و نظر کے تذکرے ہونے لگے
رطب یابس سے چھٹے، چھٹ کر ترے ہونے لگے
لفظ جو کھوٹے لغت میں تھے، کھرے ہونے لگے
ذکرِ سرورؑ باعثِ معراجِ باطن ہو گیا
رات گزری، صبح کا چہرہ کھلا، دن ہو گیا

پیرہن مہکا ہوا، ہلکی عبا ڈالے ہوئے
اپنی گردن میں "گلوبندِ دعا" ڈالے ہوئے
مثل پائل پاؤں میں بادِ صبا ڈالے ہوئے
صبح آئی اور "کافوری ردا" ڈالے ہوئے
وقت کی نبضوں میں گردش کی ہوا بھرتی ہوئی
کسمائیں رونقیں، آباد پھر "دھرتی" ہوئی
صبح آئی اور زمانے پر "درِ خاور کُھلا"
صبح آئی "مہرِ عالمتاب کا دفتر کُھلا"
صبح آئی اور جہاں پر پھول کا جوہر کُھلا
صبح آئی ہر طرف سے آسماں سر پر کُھلا
منحنی ہاتھوں سے قصرِ ظلم و ظلمت پاٹ کے
صبح آئی رات کی "تاریک چادر" کاٹ کے
"بھوں" "خطِ ابیض" سے اور چتون سے ابرو باندھ کے
روک کے پھیلاؤ یعنی دست و بازو باندھ کے
خوف، ویرانی، اندھیرا، رنگت و رُو باندھ کے
صبح آئی ہر طرف سے شب کے گیسو باندھ کے
شام کی یلغار سے یہ پیش تھی پَس ہو گئی
صبح کی قوت کے آگے رات بے بس ہو گئی

رات اور دن دونوں شاہد صبح تم آمیز بھی
صبح کی رعنائیاں پھیکی بھی ہیں اور تیز بھی
صبح لطف انگیز بھی اور غم انگیز بھی
صبح مایوسی کا مرکز، صبح دل آویز بھی
ایک نعمت کا تتمہ، اک بلا کی صبح ہے
اک "غدیرِ خُم" کی اور اک کربلا کی صبح ہے

"اشک بر دامانِ گُل" گو اوس بے الزام ہے
عرش شرمندہ ہے، پانی آج تک بدنام ہے
حشر سے بڑھ کر قیامت خیز جس کی شام ہے
صبح میں اک صبح کہ عاشور جس کا نام ہے
بیبیاں خواہاں ہیں مرگِ ناگہانی کے لئے
جس میں آلِ مصطفٰےؐ تڑپے ہیں پانی کے لئے

آ گئی تا حدِّ مجلس بے رکاوٹ آ گئی
وہ عروسِ فکر، اے افسردگی ہٹ آ گئی
پھر تخیّل کی ہوا چلنے کی آہٹ آ گئی
پھر قلم اٹھا فضا میں گنگناہٹ آ گئی
آیتِ کبریٰ بہ عنوانِ جلی پڑھنے لگے
ذرّے ذرّے بزم کے نادِ علیؑ پڑھنے لگے

حرف سے، الفاظ سے، آہنگ سے، آواز سے
عِلم سے، ادراک سے، افکار سے، پرواز سے
متّصل انجام کو کرنا ہے اب آغاز سے
مرثیہ کہنا ہے لیکن اک نئے انداز سے
بارگاہِ آلِ پیغمبرؐ میں خَم ہوں انگلیاں
خونِ دل ہو روشنائی اور قلم ہوں انگلیاں

گھُپ اندھیرا، آندھیاں، گرتی، چمکتی بجلیاں
خود غرض تاریخ کی اور وقت کی تبدیلیاں
آدمیّت کی خطائیں، آدمی کی خامیاں
دیکھتی جاتی ہیں آنکھیں، لکھ رہی ہیں انگلیاں
خاک ہم ایسوں کو اب تمئیز بد اور نیک ہو
عہدِ حاضر اور جب دورِ گزشتہ ایک ہو

حدِّ انسانی میں آئے گا نہ انساں تابہ کے
ظلمتِ زر میں رہیں گے دین و ایماں تابہ کے
علم کی زلفیں رہیں گی یوں پریشاں تابہ کے
ضوفگن ہوگا نہ مہرِ صدق و ایقاں تابہ ہے
پرورش پلتے رہیں گے شر کے بندے تابہ کے
دندنلتے ہی رہیں گے یہ درندے تابہ کے

جبر و استبداد کی، دنیا پہ شاہی تا بہ کے
کجروی یہ تا بہ کے یہ کج نگاہی تا بہ کے
دولتِ فکر و تجسس کی تباہی تا بہ کے
ذہن پر چھائی رہے گی یہ سیاہی تا بہ کے

آخرش طاری رہے گا یہ اندھیرا تا بہ کے
دہر پر ڈالے رہے گا ظلم ڈیرا تا بہ کے

یونہی من مانی کریں گے بے حمیّت تا بہ کے
در بدر کی ٹھوکریں اور اہلِ عزّت تا بہ کے
رقص ظلمت پر کرے گی اور ظلمت تا بہ کے
کر سکے گا وہم ذہنوں پر حکومت تا بہ کے

ڈگمگائے گا حقائق کا سفینہ تا بہ کے
شیون و نالہ کرے گا طور سینا تا بہ کے

کُنمُناتی ہی رہے گی صبحِ گلشن تا بہ کے
گنگناتا ہی رہے گا ذہنِ پُر فن تا بہ کے
یہ جہاں بنتا رہے گا حق کا مدفن تا بہ کے
ظلم اُٹھاتی ہی رہے گی شاخِ سوسن تا بہ کے

تا بہ کے یہ شدّتِ امراضِ مُزمِن تا بہ کے
ٹھوکریں کھاتے پھریں گے مردِ مومن تا بہ کے

گرد کے دامن میں مہرِ حق کا چہرہ تابہ کے
پیرہن میں کفر کے ملبوس دنیا تابہ کے
جسمِ انساں پر تصنّع کا لبادہ تابہ کے
بندۂ حق، دولتِ دنیا کا بندہ تابہ کے
فصلِ گُل کی، بزمِ گُل میں نوحہ خوانی تابہ کے
گُمرہی کی اِس جہاں پر حکمرانی تابہ کے

گیسوئے فطرت بہرصورت سنورنا چاہیئے
ظالموں کو دہر میں بے موت مرنا چاہیئے
مہر بن کر علم والوں کو اُبھرنا چاہیئے
ذہن سے تاریکیوں کو دور کرنا چاہیئے
گُمرہی کے اب مراسم کو بدلنا چاہیئے
کفر کو ناکامیوں پر ہاتھ مَلنا چاہیئے

وجد کرنا، مست ہونا، لڑکھڑانا چاہیئے
ناز کرنا، گُنگُنانا، گُنگُنانا چاہیئے
آمدِ بادِصبا پر جھوم جانا چاہیئے
اپنی خوش بختی پہ گُل کو مُسکرانا چاہیئے
خود ہوا کشتی کی کھیون ہار ہونی چاہیئے
فصلِ گُل، فصلِ خزاں پر بار ہونی چاہیئے

رفتہ رفتہ نُورِ احمدؐ ہو گیا ہے بے نقاب
آتے آتے آ گیا ہے روئے ایماں پر شباب
سوئے گیتی دیکھتا ہے مُسکرا کر آفتاب
اپنے دامن میں لپیٹے ہے اک مہذب انقلاب

شاہکارِ ربِ عالم آ گیا پردیس میں
نُور نے ڈیرا جمایا ظلمتوں کے دیس میں

سَر کو ظلم و جبر کے ٹھوکر پہ مارا جائے گا
یعنی صحنِ عالمِ ہستی نکھارا جائے گا
ہر طرح سے چہرۂ گیتی سنوارا جائے گا
فرش پر اب عرش سے تارا اُتارا جائے گا

سر سے پا تک ہوش و عقل و آگہی بن جائے گا
در حقیقت آدمی اب آدمی بَن جائے گا

"صوتِ داؤدی" زمانے کو سُنائی جائے گی
"حسن یوسفؑ" "ہیبتِ موسٰیؑ" دکھائی جائے گی
ناؤ طوفانِ حوادث سے بچائی جائے گی
آندھیوں کی زد پہ شمعِ حق جلائی جائے گی

خود سروں کے جسم سے اب سَر اُتارے جائیں گے
مرحب و عنتر سرِمیدان مارے جائیں گے

روحِ انسانی اذیّت سے بچا لی جائے گی
مہر و مہ پر اب کمندِ فکر ڈالی جائے گی
فکرِ فرسودہ نئے سانچے میں ڈھالی جائے گی
اب رعونت سر سے باطل کے نکالی جائے گی

از زمیں تا عرش برقِ حق کا کوندا جائے گا
آسماں انسان کے پیروں میں روندا جائے گا

کوئی بھی مشکل ہو اب آسان تر ہو جائے گی
دور ظلمت ہوگی بالآخر سحر ہو جائے گی
اب ضلالت دہر میں "بے بال و پَر" ہو جائے گی
زندگی اب معتبر سے معتبر ہو جائے گی

اب غلامانِ محمدؐ خندہ پیشانی کے ساتھ
چل سکیں گے دھار پر خنجر کی آسانی کے ساتھ

دولتِ وجدان اہلِ جذب میں بٹنے لگی
گمرہی کی ہر سیاہی خود بخود چھَٹنے لگی
دہر کے چہرے سے چادر رات کی ہٹنے لگی
تھی جو ظلمت درمیانِ روز و شب کٹنے لگی

نورِ ختم المرسلینؐ کا بول بالا ہو گیا
مہر نکلا، پَو پھٹی، ہر سُو اُجالا ہو گیا

دشت و دریا و جبل کو کنمنانا چاہیے
شاخ و گلزار و شجر کو گنگنانا چاہیے
علم سے دارالمحن کو اب سجانا چاہیے
احمدِ مختارؐ کو دنیا میں آنا چاہیے

گُل نہ کانٹوں پر کسی صورت بھی تُلنے چاہئیں
اب دریچے فکر کے دنیا پہ کُھلنے چاہئیں

ہے بلندی کی طرف مائل مزاجِ روزگار
لطف پرور، کیف آور، با نظر، با اعتبار
کُفر کی صورت پریشاں، شرک کا سینہ فگار
شامِ غم افسردہ لیکن صبحِ مقصد کامگار

کاخِ باطل کی اساسیں دیکھنا ڈھ جائیں گی
ظلمتیں سیلِ فنا میں خود بخود بہہ جائیں گی

انبیاء کا مدعا، مقصودِ جبریلِ امیں
ششجہت کی آرزو، محبوبِ رب العالمیں
لے رہی ہے دیکھ وہ انگڑائیاں صبحِ مبیں
وہ محمدؐ آ رہے ہیں بن کے ختم المرسلیں

بے حقیقت اب جہاں میں سیم و زر ہو جائیں گے
سنگریزے ہاتھ پر اس کے گُہر ہو جائیں گے

لو نویدِ زیست لائی گردشِ لیل و نہار
پردۂ ظلمات سے ظاہر ہوئی صبحِ بہار
کفر کا تاریک دامن ہو رہا ہے تار تار
کروٹیں مہرِ نبوت لے رہا ہے بار بار

راستی منزل کی خواہاں نوعِ انسانی کے ساتھ
بندگی ساحل طلب، ایماں کی طغیانی کے ساتھ

بحرِ استبداد میں پہلی سی طغیانی کہاں
اب جہانِ رنگ و بو میں کارِ شیطانی کہاں
حلقۂ دامِ بتاں میں نوعِ انسانی کہاں
خشک آنکھیں ہیں بتوں کی اِن میں اب پانی کہاں

خوفِ ایماں سے نہیں اصنام اپنے ہوش میں
اک سکوں سا پاگئے ہیں موت کی آغوش میں

سرورانِ دہر اپنی سروری بھولے ہوئے
"دِلبرانِ بے تکلّم" دِلبری بھولے ہوئے
دَیر میں اصنام ہیں عشوہ گری بھولے ہوئے
یعنی "خودسر" دیر سے ہیں خود سری بھولے ہوئے

مضطرب گستاخ ہیں جانِ حزیں کے واسطے
دے رہے ہیں ابتو ختم المرسلینؐ کے واسطے

غازۂ روئے سُخن بن کر لطافت کھل اُٹھی
دیکھ کر ابرِ کرم توفیقِ مدحت کھل اُٹھی
آکے باذوقوں میں رضوی خود طبیعت کھل اُٹھی
کھل اُٹھی پھر مرثیہ کی آج رنگت کھل اُٹھی
بے بضاعت تھی مگر بن کر گُہر اُٹھنے لگی
جانبِ نفسِ رسولِ حق نظر اُٹھنے لگی

خانۂ حق میں کوئی عزّت مآب آنے کو ہے
سوئے گیتی رحمتِ حق کا سحاب آنے کو ہے
فرشِ خاکی پر نیا اک انقلاب آنے کو ہے
ختم کرنے ظلمتوں کو آفتاب آنے کو ہے
کفر کو لغزیدگی ہے تھرتھری ظلمات کو
سوئے مدفن لے چلی ہے صبح گویا رات کو

ہے خدا کا شکر وہ نُورِ خدا آہی گیا
خانۂ کعبہ میں نفسِ مصطفیٰؐ آہی گیا
سوئے منزل پیکرِ صدق و صفا آ ہی گیا
مرضئ اللہ لے کر مرتضیٰؑ آ ہی گیا
مرکزِ حق بنگیا ساری خدائی کے لئے
خود محمدؐ آ رہے ہیں پیشوائی کے لئے

کون اتنا معتبر، کس کا ہے اتنا اعتبار
کس کا اک ادنیٰ تبسّم حاصلِ فصلِ بہار
کہہ رہی ہے ساری خلقت اور کہے گی بار بار
"لا فتیٰ الّا علیؑ لا سیف الّا ذوالفقار

مہرِ خاور حکم پر اکثر پلٹ کر آیا ہے
چومنے اِس کے قدم خود سر سے خود سر آیا ہے

"یہ علیؑ جس کے درِ اقدس سے پلتے ہیں وقار
"علم، حکمت، عقل، دانش، بادشاہت اقتدار
"روک دے جس جا پہ چاہے گردشِ لیل و نہار
"مہر و مہ پر اس کو قدرت، بحر و بَر پر اختیار"

مرتضیٰؑ حق ہے بالفاظِ دگر حق مرتضیٰؑ
مَسندِ آیاتِ قرآنی کی رونق مرتضیٰؑ

زوجِ زہراؑ، سایۂ حسنینؑ، حق کا مدعا
"بلائے بسم اللہ" نفسِ مصطفیٰؐ، شیرِ خدا"
مقصدِ کُن، آیتِ کبریٰ، علیؑ مرتضیٰؑ"
قاسم تسنیم و کوثر، صاحبِ خُلد و لِوا"

اس سے بے وابستگی ہرگز نہ کچھ ہاتھ آئے گا
"اس کے در کو چھوڑ کے در در کی ٹھوکر کھائے گا"

مومنوں کے دل کی راحت، کافروں کے دل پہ بار
"کاشفِ اسرارِ حق، خیبر شکن، دُلدل سوار
"بابِ شہرِ علم، عالی مرتبت، گردوں وقار
"شاہِ مرداں، شیرِ یزداں، قوتِ پروردگار
"یا علیؑ کہنے سے کب تک کم نظر کترائے گا
"رکھ کے اس سے دشمنی دوزخ میں سیدھا جائے گا"

اُس کا اُٹھنا، بیٹھنا اور چلنا پھرنا بھی گناہ
بُغضِ حیدؑر جس کا سرمایہ، جہنم اِس کی راہ
کج ادا و بے شعور و بد سرشت و کج نگاہ
دشمنِ نفسِ پیمبر، دشمنِ دینِ الٰہ
وہ جو بد انجام کب انجام اِس کا نیک ہے
مرتضیٰؑ و مصطفیٰؐ دونوں کا دشمن ایک ہے

یہ شہود و شاہد و مشہود، خوش کُن دِلربا
"یہ امام و اتقیاء مرسل ولی و انبیاء"
"انّما" مسرور کن "پیغامِ بَلّغ" نُور زا"
آ رہی ہے خُم کے میخانے سے پیہم یہ صدا
دور رستے سے ہوا تو دور ہوتا جائے گا
"جانے والے سوئے منزل لوٹ کر کب آئے گا"

یہ تکلّم کا زمانہ، یہ تبحّر کی فضا
چُپکے چُپکے کان میں کہنے لگی ہے کچھ ہوا
سمتِ قبلہ سے اُٹھی ہے پھر قیامت کی گھٹا
لے رہا ہے آج پھر انگڑائی تیرا میکدہ
مالک و مختارِ مے، غازی، بلی کہنے لگے
لُطف آجائے جو نس نس یا علیؑ کہنے لگے

تجھ کو یہ معلوم ہے اچھی طرح سے ساقیا
کون مے سے دور ہے اور کون مے سے آشنا
"لذّتِ مے ہم سے بہتر کون سمجھے گا بھلا
"ہم نے میخانے کو دیکھا خُم سے تا کرب و بلا"
ساقیا دکھلا مجھے کوئے حسینؑ ابنِ علیؑ
فکر کا رُخ موڑ دے سوئے حسین ابنِ علی

مظہرِ ذاتِ محمدؐ، مظہرِ ذاتِ علیم
"سارے عالم کا مسیحا دینِ احمد کا حکیم"
"برتر از عیسٰیؑ و یوسفؑ، بہتر از نوحؑ و کلیمؑ"
"راکبِ دوشِ محمدؐ، معنیٔ ذبحِ عظیم"
جسم ذاتِ مصطفیٰؐ اس جسم کا سایہ حسینؑ
فرش کا خورشیدِ اعظم، عرش کا پایہ حسینؑ

ہر جہت سے آئینہ دارِ شرافت ہے حسینؑ
حدِّ فاصل درمیانِ نور و ظلمت ہے حسینؑ
ذی کرم ایسا کہ اک بحرِ کرامت ہے حسینؑ
آدمی ایسا کہ فخرِ آدمیت ہے حسینؑ

اِس کی بنیادیں کہ قائم، وہ کہ بے بنیاد ہے
قصرِ باطل ڈھ گیا اور کربلا آباد ہے

ہادیٔ برحق نہیں، یکسر ہدایت ہے حسینؑ
مصطفیٰ قرآن ہیں اور اس کی آیت ہے حسینؑ
یہ بھی حق ہے مالک و مختارِ جنّت ہے حسینؑ
یہ بھی حق ہے واقفِ سرِّشہادت ہے حسین

چاہا باطل نے کہ رکھ دے اس ثمر کو توڑ کے
آیا، ٹکرایا، گرا، خود اپنے سر کو توڑ کے

جان و دل سے ہے تصدّق فاتحِ بدر و حنین
مجتبیٰؑ کا زور بازو، مصطفیٰؐ کا نورِعین
فاطمہؑ کے دل کی دھڑکن، مرتضیٰؑ کے دل کا چین
حاصلِ دینِ محمدؐ، حاملِ قرآں، حسینؑ

منفرد، یکتائے عالم، باخدا، بوباس سے
اس کو حاصل ہیں محافظ قاسمؑ و عباسؑ سے

کون قاسمؑ۔ دُور جس سے ناتوانی، بزدلی
کون قاسمؑ۔ جو دلیر و اشجع و غازی، بلی
کون قاسمؑ۔ جو لڑکپن میں ولی ابنِ ولی
کون قاسمؑ۔ مرکزِ چشمِ حسینؑ ابنِ علیؑ

رزم میں انداز جس کے مرتضیٰؑ انداز سے
متصل جس نے کیا انجام کو آغاز سے

کون قاسمؑ۔ علم نوشی جس کی گھٹی میں پڑی
کون قاسمؑ۔ سُرخ پوشی جس کی گھٹی میں پڑی
کون قاسمؑ۔ سرفروشی جس کی گھٹی میں پڑی
کون قاسمؑ۔ صدق کوشی جس کی گھٹی میں پڑی

ذکر جس کا ناگزیر اس دارِ فانی کے لئے
جس کا بچپن آئینہ ہے ہر جوانی کے لئے

بچپنہ اور بچپنے میں باشریعت با وقار
آبروئے فصلِ گل، زینت دہِ فصلِ بہار
ہر کلی کا مدعا، ہر گل کے چہرے کا نکھار
فاطمہؑ کے دل کی دھڑکن، مجتبیٰؑ کا گلعذار

مانگتا اللہ سے تختِ معظم مانگتا!
اِس کی مدحت کے لئے میں عرشِ اعظم مانگتا

سلسبیل و آبِ حیواں، حوضِ کوثر مانگ لوں
فقرِ بوذرؓ، طاعتِ مقدادؓ و قنبرؓ مانگ لوں
تازگیٔ ذہن، فکرِ روح پرور مانگ لوں
مانگ لوں معبود سے پھولوں کا جوہر مانگ لوں

حُسنِ قاسمؑ کھینچنا ہے اب مجھے قرطاس پر
خود تو ہوں ناچیز لیکن ناز ہے عباسؑ پر

نُور برساتا سا چہرہ اور شیشہ سا بدن
مجتبیٰؑ کا وہ سراپا، مرتضیٰؑ کا بانکپن
کہہ رہا ہے اہلِ دنیا سے یہ قاسمؑ کا چلن
گر حُسینی بن نہیں سکتا تو پھر کچھ بھی نہ بن

لقمۂ دربار داریٔ یزیدی چھوڑ دے
اے اسیرِ زلفِ زر، زنجیرِ ذلّت توڑ دے

ہے خدا شاہد لڑکپن پر جمال آیا ہوا
اک نئی رنگت سے ہے رنگِ ملال آیا ہوا
اک نئے تیور سے ہے حُسنِ سوال آیا ہوا
ہے حسنؑ کے لال کو ایسا جلال آیا ہوا

ذرّے ذرّے پر اُداسی دشت کے چھائی ہوئی
بیبیاں اُلجھی ہوئی ہیں، ماں بھی گھبرائی ہوئی

شہ کے غم میں سر سے پا تک فرطِ غم کی اک کتاب
غیظ سے وہ لال چہرہ مثل لالہ و گلاب
کاٹنا ہونٹوں کو اپنے، دل کا پیہم پیچ و تاب
وہ لہو سی سُرخ آنکھیں، وہ تڑپ وہ اضطراب
گر وغا کا اذن سرورؑ سے نہ قاسمؑ پائیں گے
پاؤں پر سر رکھ کے شہ کے آپ ہی مر جائیں گے

ماں نے سوچا اب تدبّر کوئی کرنا چاہیئے
اب مقدّر اپنے لختِ دل کا بدلا چاہیئے
کیا لکھا ہے اس کی قسمت میں یہ دیکھا چاہیئے
باپ نے تعویز جو باندھا ہے کھولا چاہیئے
کھول کر تعویز دیکھا اور خرّم ہو گئیں
غم زدہ تھیں دیکھتے ہی اس کو بے غم ہو گئیں

نقدِ جاں، مطلوبِ دل، مقصود و منشاء رکھ دیا
پاس تھا جو کچھ بھی یعنی ذرّہ ذرّہ رکھ دیا
خدمتِ سرور میں وہ، بیوہ نے پُرزہ رکھ دیا
شہ تڑپ اُٹھے کہ شہزادی نے یہ کیا رکھ دیا
چاہتے تھے کچھ کہیں، بھاوج کی صورت دیکھ کر
ہو گئے خاموش بھائی کی وصیت دیکھ کر

سرخروئی کے لئے شہ کی رضا ملنے کو ہے
اوج پر حرفِ دعا ہے مُدّعا ملنے کو ہے
اِن کو جنسِ حاصلِ ارض و سماء ملنے کو ہے
خوش ہوئے قاسمؑ کہ اب اذنِ وغا ملنے کو ہے
دشمنانِ دینِ حق کو، شہ کے سر سے ٹال کے۔!
میں جیوں گا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے

کس طرح لرزے گا کُل لشکر کا لشکر دیکھنا
اپنے خون میں خود نہائیں گے دلاور دیکھنا
سر سے ہوں گے آج بے سر کتنے خودسر دیکھنا
بے زرہ نکلا ہے میداں کو غضنفر دیکھنا
ایک دو کی بات کیا ہے بچہ بچہ چیر کے
دیکھنا رکھ دے گا یہ ازرق کا کنبہ چیر کے

دیو صورت، پیل پیکر، خود ستاں مارا گیا
تیغ زن، نیزے کا ماہر، نوجواں مارا گیا
اک جھلک سے تیغ کی ہر پہلواں مارا گیا
ازرقِ شامی کا پورا خانداں مارا گیا
جا سکا واللہ کوئی بھی نہ باگیں موڑ کے
رکھ دیا قاسمؑ نے باطل کی کمر کو توڑ کے

یہ زَبر ہے اور اس سے ساری دنیا زیر ہے
موت کوندے گی نظر لڑنے کی خالی دیر ہے
بولا ابنِ سعد نادانوں سمجھ کا پھیر ہے
اس سے کیا جیتو گے یہ شیرِ خدا کا شیر ہے
گرز لو، نیزہ سنبھالو، تیر لو، تلوار لو
میں بتاتا ہوں تمھیں، سب مل کے اس کو مار لو

بزدلوں" نے ہر طرف سے "شیر پر حملہ کیا
اور وہ کمسن مجاہد اسپ سے نیچے گرا
درمیانِ فوج اعدا ریزہ ریزہ ہو گیا
آ رہی ہے آج تک یہ ٹکڑے ٹکڑے سے صدا
اُن کی یا ناگفتنی، بے حال میری لاش ہے
یا چچا کی یا تو پھر پامال میری لاش ہے

بیکس و مظلوم زینب، اُن کے ماں جائے حسینؑ
دھوپ میں روندے گئے کس طرح گھبرائے حسینؑ
صبر کی یہ کون سی منزل پہ ہیں پلٹے حسینؑ
لاش خیمے میں نہ جانے کس طرح لائے حسینؑ
ہونٹ پر آہ و فُغاں ہو، آنکھ پُرنم کیجئیے
رضویؔ غمگین اُٹھیئے اُٹھ کے ماتم کیجئیے

مجلسِ شہہ کے علاوہ اور کسی بھی بزم میں
سوزِ دل رکھتے ہیں لیکن سوز خواں ہوتا نہیں

آرزو کو اشک بنتے میں نے دیکھا ہے حضور
کون کہتا ہے کہ یہ دریا رواں ہوتا نہیں

فن کی خدمت کے لئے رضوی زمانہ چاہئے۔!
ایک دو دن میں کوئی معجز بیاں ہوتا نہیں

میں اُس سے جُدا اور نہ وہ مجھ سے جُدا ہے
میں عبد وہ معبود، میں بندہ وہ خدا ہے

طوفانِ بلاخیز، ہوں میں شہہ کا عزادار
چل راہ سے ہٹ میری طرف دیکھتا کیا ہے

ہے کُجا یہ اوجِ منبر، ہے کُجا وہ شاخِ سدرہ
وہ بلند تر تو اُس سے یہ کہیں بلند تر ہے

ذرا کربلا سے یاں تک مری آنکھ سے تو دیکھیں۔!
یہاں زد پہ شہہ کی مجلس وہاں زد پہ شہہ کا گھر ہے

مجھ سا اک نااہل انساں اور اذکار حسینؑ
اللہ اللہ کتنی باعظمت ہے سرکارِ حسینؑ

عباسؑ

عباسؑ شہنشاہ رہا اور رہے گا
بخشش کا سخاوت کا عنایت کا عطا کا
سجدے کا عبادت کا ریاضت کا دعا کا
الفت کا محبّت کا مروّت کا وفا کا

عباسؑ شہنشاہ رہا اور رہے گا
زر دار کا مفلس کا توانگر کا گدا کا
قوّت کا وجاہت کا شجاعت کا وغا کا
توقیر کا عزّت کا شفاعت کا شفا کا
تسلیم کا ایماں کا تیقّن کا رضا کا

اس شخص کی توصیف و ثنا اور ہو ہم سے
جو شخص ہو ممدوح شہِ کرب و بلا کا

ثبات و عزم پر زین العبّا کے آپ خود سوچیں
تعجب خیز کب روح الامیں کا مرحبا کہنا
شہِ دیں کی طرف جاتے ہوئے اعداء سے اے رضوی
پلٹ کر قسمتِ حُر کہہ رہی ہے میرا کیا کہنا

آج اصلاح کی ضرورت ہے

ذہن ناواقفِ حقیقت ہے ۔۔۔ فکر آمادۂ بغاوت ہے
قلب بیگانۂ محبّت ہے ۔۔۔ طالبِ راہ آدمیّت ہے
آج اصلاح کی ضرورت ہے

ناشناسِ رموزِ وحدت ہے ۔۔۔ ناسپاسِ خلوص و الفت ہے
ذہنِ انساں ہے اور جہالت ہے ۔۔۔ ایک عالم شکارِ ذلّت ہے
آج اصلاح کی ضرورت ہے

صبر مفقود، کم بصیرت ہے ۔۔۔ عقل حیراں ہے، پست ہمّت ہے
کھوئی کھوئی سی آدمیّت ہے ۔۔۔ کیا کٹھن وقت، کیا صعوبت ہے
آج اصلاح کی ضرورت ہے

گھر جلانے کی عام دعوت ہے ۔۔۔ اپنے ہی دوستوں سے نفرت ہے
زندگی درد سے عبارت ہے ۔۔۔ کس قدر مشکلوں میں ملّت ہے
آج اصلاح کی ضرورت ہے

ظلم و باطل کا دور دورہ ہے ۔۔۔ مائلِ جبر ایک دنیا ہے
شاہراہوں پہ خون بہتا ہے ۔۔۔ زد پہ ناوک کے آدمیّت ہے
آج اصلاح کی ضرورت ہے

تیغ و خنجر ہیں مائلِ آزار ۔۔۔ اور بے چین ہے ہر اک دیندار
کتنے کوفی ہیں برسرِ پیکار ۔۔۔ آدمی کو سکوں کی حاجت ہے
آج اصلاح کی ضرورت ہے

اہلِ ایماں کا قتل ہوتا ہے　　علم و عرفاں کا قتل ہوتا ہے
فکرِ انساں کا قتل ہوتا ہے　　سربلندی پہ بربریت ہے
آج اصلاح کی ضرورت ہے

جبر کا اہتمام ہوتا ہے　　جور کا احترام ہوتا ہے
ظلم عالم میں عام ہوتا ہے　　حق و انصاف سے بغاوت ہے
آج اصلاح کی ضرورت ہے

دامنِ امن چاک ہوتا ہے　　حق پرستوں کا خون بہتا ہے
ملک گیری کا سر میں سودا ہے　　ظلم والوں کو زعمِ قوت ہے
آج اصلاح کی ضرورت ہے

احمدِ مصطفیٰؐ سے دوری ہے　　گل کے حاجت ردائے دوری ہے
نفسِ خیر الوریٰ سے دوری ہے　　ہر طرف صرف ظلم و ظلمت ہے۔
آج اصلاح کی ضرورت ہے

ہاں ہر اک نیک نام کہتا ہے　　مجمعِ خاص و عام کہتا ہے
رضوئ خوش کلام کہتا ہے　　زیرِ دامِ فریب عزت ہے
آج اصلاح کی ضرورت ہے

O

نفس نفس تھا کہ امواج تھیں سمندر کی
جو کھیل کھیل رہی تھیں مرے سفینے سے
سنبھل سنبھل کے چلا اور قدم قدم پہ گرا
شکست کھا گیا دنیا کے میں قرینے سے

سواری حسینؑ کی

کہنا ہے اہلِ غم سے مجھے داستانِ غم
عباس روح غم کی ہیں، اصغرؑ ہیں جانِ غم
اکبرؑ سے ہے بلند جہاں میں نشانِ غم
روداد کربلا کی سراسر بیانِ غم

علم و عمل کی جان، ہے باعث حیات کا
یہ ذکر ہے سکون دلِ کائنات کا

اہلِ نگاہ، اہلِ نظر، صاحبِ عطا
مطلوبِ کائنات، شہادت کا مدّعا
اکبرؑ ہیں ساتھ، ساتھ ہیں عباسِ باوفا
آمادۂ سفر ہیں شہنشاہِ کربلا

صد دیدنی ہے شان شہِ مشرقین کی
جاتی ہے کربلا کو سواری حسینؑ کی

اے کربلا بتول کے پیاروں کی خیر ہو
اے کربلا علیؑ کے دُلاروں کی خیر ہو
سبطِ نبی کے چاند ستاروں کی خیر ہو
دینِ رسولِ حق کے سہاروں کی خیر ہو

بیکا نہ ایک بال ہو آلِ رسول کا
معبود بیگناہ ہے کنبہ بتولؑ کا
ہر جانثارِ سبطِ پیمبر کی خیر ہو
ہر گلعذارِ فاتحِ خیبر کی خیر ہو
اصغرؑ کی خیر حضرتِ اکبرؑ کی خیر ہو
زینبؑ کی خیر اُن کے برادر کی خیر ہو
بیعت کا ہے سوال شہِ مشرقین سے
آمادۂ جدال ہے دنیا حسینؑ سے

در مدحتِ امامِ زین العابدین علیہ السلام

دامن بچانے والو عابدؑ کے آستاں سے
یہ علم، یہ تعقل لاؤ گے تم کہاں سے
سجادؑ تیرے شیدا پہنچے جہاں جہاں پر
علم و عمل کے چشمے پھوٹے وہاں وہاں سے
اس فتح کے تصدق تو شام سے جو پلٹا
اُلٹی ہوئی تھی بازی پلٹے ہوئے تھے پانسے
عطرِ گل مودّت یعنی تری محبت
برتر ہے اِس زمیں سے بالا ہے آسماں سے
وابستگی کی ان سے کیا پوچھتا ہے قیمت
مہنگی نہیں ہے رضوی یہ جنس قلب و جاں سے

در مدحتِ امامِ علی رضا علیہ السلام

یوسف کا چلن ہو کہ سلیمان کا ہو دور
ہر غور طلب بات پہ کرنا ہے تجھے غور
دنیا کو بتانا ہے بہر رنگ بہر طور
مامون کا تخت اور ہے سرکارِ رضاؑ اور
اُس بزم میں خالق سے پہنچنے کی دعا کر
خورشید بھی آتا ہے یہاں سر کو جُھکا کر

بحضور امامِ زمانہ علیہ السلام

قصیدہ

ہر لحظہ ڈھونڈتی ہے کسی لاجواب کو
پھینک آئیں ہم کہاں نگہِ انتخاب کو
چہرے پہ اُس کے پردۂ زلفِ سیہ ہے یا
بادل نے کر لیا ہے اسیر آفتاب کو
پسماندگی پہ آپ ہماری نہ جائیے
تیغیں تڑپ رہی ہیں نیاموں میں آب کو
ہوتے نہیں ہیں زر کی چمک پر فریفتہ
پہچانتے ہیں اہلِ بصیرت سراب کو

جلووں سے اُس کے قلب و نظر میں ہے روشنی
بخشی ہے جس کے رُخ نے چمک آفتاب کو

دیکھ اے وفورِ شوق ادب کا مقام ہے
آواز دے رہا ہوں اک عزّت مآب کو

موقوف کر یہ سلسلۂ اضطراب کو
ساغر میں ڈھال دے مرے ساقی شراب کو

یادِ امامِ عصرؑ کی ضوریزیاں نہ پوچھ
رکھے ہوئے ہوں قلب میں اک آفتاب کو

معلوم کیا نہیں ہے تمھیں عسکریؑ کے لال
جائز بتا رہا ہے زمانہ شراب کو

تاویل کر رہے ہیں حدیثِ رسول میں!
طاقوں میں رکھ چکے ہیں مسلماں کتاب کو

کثرت سے ہو گئے ہیں مقلد یزید کے
جنّت کو مانتے ہیں نہ روزِ حساب کو

آؤ کے خسروانِ جہاں روندنے لگے
حکمِ خدا و حکمِ رسالت مآب کو

ان بیکسوں کے خون کا آکر قصاص لو
تڑپے ہیں تین روز جو مظلوم آب کو

زلفِ یقیں سے دور کرو پیچ و تاب کو
اسلام چاہتا ہے گزشتہ شباب کو
کیسے کہوں کہ پردۂ غیبت اُٹھائیے۔!
کیا حق کہ دے صلاح زمیں آفتاب کو

منقبت

آہ میری اک نہ اک دن با اثر ہو جائے گی
یعنی مجھ پر میرے مولا کی نظر ہو جائے گی
آرزوئے دید کی مدّت تو بڑھنے دیجیئے
زحمتِ غیبت کی مدّت مختصر ہو جائے گی
عرش تک جانے تو دیجیئے میری آہوں کو ذرا
یہ لبِ دِل کی دُعا ہے کارگر ہو جائے گی
اک نہ اک دن رنگ لائے گا ہمارا اضطراب
اک نہ اک دن ہم پہ ساقی کی نظر ہو جائے گی
اک نہ اک دن میرے مولا جلوہ گر ہو جائیں گے
اک نہ اک دن میری قسمت اوج پر ہو جائے گی
رونقِ کونین بڑھ جائے گی رضوی دیکھنا
میرے مولا کی عنایت جب اِدھر ہو جائے گی

منقبت

ہمّت ترے بغیر نہ قوّت ترے بغیر
پژمردہ ہو گئی ہے طبیعت ترے بغیر

بے کیف ہے شرابِ تمنّائے زندگی
بے روح ہے نمازِ محبّت ترے بغیر

تو اور عین مقصدِ تخلیقِ کائنات
میں اور ایک قیدیٔ وحشت ترے بغیر

گرد و غبارِ وہم میں ڈوبا ہوا ہے آج
آئینۂ جمالِ محبّت ترے بغیر

عالم نواز، رحمتِ یزداں کہاں ہے تو
سوکھی پڑی ہے، کشتِ شریعت ترے بغیر

رضوی مزہ تو جب ہے کہ سرکار خود کہیں
تھا ناتمام جادۂ مدحت ترے بغیر

O

کچھ سکون و قرار دے ساقی ۔۔۔ طاقتِ انتظار دے ساقی
ہم کو تو بخش اور صلِّ علیٰ ۔۔۔ تجھ کو پروردگار دے ساقی
میرے اشعار پر مئے تسنیم ۔۔۔ کیا تعجب کہ وار دے ساقی

O

مرثیہ گوئی نہیں ہے منقبت خوانی نہیں
ذہن کے دریا میں اک مدّت سے طغیانی نہیں
بے بسی، درماندگی، الجھن، پریشانی نہیں
ہم ہیں جس دریا میں اس دریا میں طغیانی نہیں
حدِّ امکاں میں مگر تاحدِّ انسانی نہیں
اتصالِ صاحبِ غیبت بہ آسانی نہیں۔!
دیکھنے کی ان کو خواہش ان سے ملنے کا خیال
ایک انجانی تمنّا جو کہ انجانی نہیں۔!
جانتا ہوں رضویؔ خوش فکر کو عرصہ سے میں
کم نظر، کوتاہ بیں، مجنون، سیلانی نہیں

O

وہ آ گیا تو قیامت کو جاگنا ہوگا
وہ جس کی یاد میں، میں لو لگائے بیٹھا ہوں
قسم خدا کی مودّت کی موج موج گواہ
میں اک تموّجِ دریا دبلائے بیٹھا ہوں
امامِ عصرؑ کے میں انتظار میں رضوی
یہ دل لگی تو نہیں دل لگائے بیٹھا ہوں

O

فن تو یہ ہے اس طرح دنیا کو سمجھائے کوئی
کچھ لکیریں کھینچ دے اور بات بنجائے کوئی
کون کس کو روکتا ہے آئینے کو دوستو
آئینہ دکھلا اگر سکتا ہے دکھلائے کوئی
زر کا خط، گیسوئے خواہش، کاکلِ حرص و ہوس
کاش اِن اُلجھی ہوئی زلفوں کو سُلجھائے کوئی
علم، ایقاں، صبر، تقویٰ، شکر، سجدہ، بندگی
کاش اِن سمٹے ہوئے نقطوں کو پھیلائے کوئی
حق کو حق باطل کو باطل آدمی تو حشر تک
خود سمجھ سکتا نہیں جب تک نہ سمجھائے کوئی
کہہ رہا ہے ہر دھڑکتا دل کہ لے کر ذوالفقار
کاش یا معبودِ برحق آج آجائے کوئی
بات تو کوئی کرے اور ناز فرمائے کوئی
تابحدِ منقبت اس شان سے آئے کوئی
چاہتا ہوں میں یہ رضوی زیرِ تیغِ انتظار
دیکھ کر مجھ کو تڑپتا خود تڑپ جائے کوئی
سوئے ساحل وادئ خضراء سے ہنستی کھیلتی
موج آتی ہے خدایا موج پر آئے کوئی
میں ہوں محوِ منقبت اور آپ پڑھتے ہوں درود

لطف آجائے اگر ایسے میں آجائے کوئی

منقبت کہتے ہوئے محسوس ہوتا ہے مجھے۔!

جیسے اک اک لفظ کی تائید فرمائے کوئی

O

تمہارے چاہنے والوں میں نام ہو جائے

بلا سے سانس بھی لینا حرام ہو جائے

نگاہِ لطف اِدھر یا امام ہو جائے

جو ناتمام ہے قصّہ تمام ہو جائے

قومیات

پیامِ امن

تابکے آخر نزاعِ باہمی اے دوستو

اتحادِ قوم و ملّت کا کوئی ساماں کرو

ہاں اُٹھو اور اپنے دل میں ولولے لے کر اُٹھو

قوم سے ڈھارس ہے تم کو تم سے ڈھارس قوم کو

کربلا والوں سے تم کو ربط ہونا چاہیئے

تم میں تنظیم و یقین و ضبط ہونا چاہیئے

یہ ادارے بازیاں، لفاظیاں اور گالیاں
کیا مٹا ڈالو گے اپنے ہاتھ سے اپنا نشاں
تا کُجا کج فہمیاں اور تا کُجا نادانیاں
اس تمہاری بد روش پر ہنس رہا ہے اک جہاں

چشمِ الفت کے لئے زخمِ دلی کا واسطہ
تم کو کافی ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کا واسطہ

وقت ہے اب بھی تمہارے پاس فکر و غور کا
اپنے پیروں پر کھڑے ہو منہ نہ دیکھو اور کا
سرنگوں کر دو نشاں دنیا میں ظلم و جور کا
جب مزہ ہے نام زندہ کر دو اپنے دور کا

مرگ کے مرہونِ منّت زندگی کے واسطے
عزم شاہِ کربلا لو رہبری کے واسطے

کیوں ہنساتے ہو بھلا اجداد کے تم نام کو
توڑ دو بڑھ کر سبو، ٹھوکر لگا دو جام کو
طوق محکومی پہنا دو اُٹھ کے صبح و شام کو
تابعِ فرمان کر لو گردشِ ایام کو

لے کے انگڑائی اُٹھو تم حیدری انداز سے
امنِ عالم کی صدا نکلے تمہارے ساز سے

خار کو جو گل بنا دے وہ نگاہِ حق شناس
اہلِ گلشن کو بلا قیدِ زمانہ آئے راس
شوکتِ باطل کا حق گو کو نہیں ہوتا ہراس
کاغذی پھولوں سے اے رضوی کہیں آتی ہے باس

O

یہ نہ ہم سے پوچھئے دنیا نے ہم کو کیا دیا
غم نے بخشیں رونقیں اور درد نے چونکا دیا
ہیں مرے اس قول پر شاہد ورق تاریخ کے
تخت و تاجِ قیصری بھی عشق نے ٹھکرا دیا
طُور شاہد ہے کہ سب ہوتے نہیں با اعتبار
دیکھنے والوں کو اُن کی آنکھ نے دھوکا دیا

پیامِ شاعر

بھرِ بربادیٔ عدو لاؤ ہاتھ فولاد قلب پتھر سا
ہاں اُٹھو اور دل میں لے کے اُٹھو عزم اور عزم بھی سمندر سا
کر دو برپا تم اپنی ہیبت سے دشمنوں کی صفوں میں محشر سا
اہلِ باطل کے زیر کرنے کو جوش درکار ہے بہتر سا
کیجئے تقلیدِ حیدرِ کرار آج کا معرکہ ہے خیبر سا

مری قوم کے نوجوانوں سنو تم

عزیزِ نگاہِ دل و جان ہم تھے حقائق کے گیسو پہ قربان ہم تھے
صداقت عدالت کا عنوان ہم تھے کہ جب مثلِ طرماح و سلمان ہم تھے
مری قوم کے نوجوانوں سنو تم
کبھی ہم تھے مرکز نگاہِ جہاں کے کبھی ہم تھے یکسر حریف آسماں کے
کبھی ہم تھے عنوان ہر داستاں کے سفینے تھے محتاج کب بادباں کے
مری قوم کے نوجوانوں سنو تم
ہماری عدالت سے خوش مرغ و ماہی تھی مشہور عالم میں شعلہ نگاہی
غلامِ غلامانِ شیرِ الٰہی فقیری میں کرتے تھے ہم بادشاہی
مری قوم کے نوجوانوں سنو تم
ہماری تھی پرواز شاہِ ہُدیٰ تک رسائی ہماری رسولِ خدا تک
پہنچ تھی ہماری درِ مرتضیٰؑ تک طلب کر رہی تھی ہمیں کربلا تک
مری قوم کے نوجوانوں سنو تم
حکومت ہماری تھی ہر بحر و بر پر زمانے کے دل تھے ہماری نظر پر
سند تھے زمانے میں علم و ہنر پر ہمارا تسلّط تھا تیغ و تبر پر
مری قوم کے نوجوانوں سنو تم
نہ جب خود فریبی سے ہم آشنا تھے نہ ہم سے جہاں کے صنم آشنا تھے
برائی سے دنیا کی کم آشنا تھے اگر تھے تو ہم صرف غم آشنا تھے
مری قوم کے نوجوانوں سنو تم
نہ وہ علم تم میں نہ وہ شان تم میں نہ وہ بات تم میں نہ وہ آن تم میں
نہ وہ زور تم میں نہ وہ جان تم میں بزرگوں سا اپنے نہ ایمان تم میں
مری قوم کے نوجوانوں سنو تم
جو پنہاں ہے تم میں وہ جوہر دکھا دو ذرا نعرۂ حیدری تو لگا دو
ہیں ہم کون رضوی یہ سب کو بتا دو اُٹھو اور اُٹھ کے جہاں کو جگا دو
مری قوم کے نوجوانوں سنو تم

قوم

متّحد گر قوم ہو، گر قوم ہم آواز ہو
میکدے کا در خدا شاہد کہ فوراً باز ہو
ایسے دل کی جستجو ہے درد ہو جس پر نثار
ایسے ساغر کی طلب ہے مے کو جس پر ناز ہو
عزم سے ثابت یہ کردو گردشِ ایام پر
یہ جہاں والے ہیں کرگس اور تم شہباز ہو
اس میں دقت یا کجی ہو ہی نہیں سکتی کبھی
نام سے اللہ کے جس کام کا آغاز ہو
آؤ کوشش تو کریں پہنچیں نہ پہنچیں عرش تک
کچھ نہ کچھ تو امتحانِ قوتِ پرواز ہو
اب جگانے کے لئے رضویؔ بد اندیش کو
صورِ اسرافیل ہو یا حشر کی آواز ہو

O

کیفیتِ ہی دوستو جو دل کی رقت خیز ہو
کس طرح لب پر کوئی نغمہ طرب انگیز ہو
کیوں زمانے کا عبث اے دوستو تم خوف کھاؤ
چوڑیاں پہنو، پہن کر، جاؤ گھر میں بیٹھ جاؤ

خاک ہے اے دوستو اس زندگی پر خاک ہے
تم تو محوِ خواب اور ملّت گریباں چاک ہے
گلشنِ ملّت میں ہے بادِ خزاں آئی ہوئی
چاندنی اس ماہ کی مدّت سے کجلائی ہوئی
یا علیؑ کہہ کر اُٹھو جنگ و جدل کو چھوڑ دو
توڑ دو ہاں وقت کی مہر خموشی توڑ دو
ہے قسم تم کو عزیزو تیغِ جوہر دار کی
چاہیئے کچھ تو تاسّی حیدرِ کرّار کی
ولولہ اور ولولہ بھی روح پرور چاہیئے
امتحاں گاہِ محبت ہے یہاں سر چاہیئے

ہم

اضطرابِ ذہن و دل سے خوف کب کھاتے ہیں ہم
سیج پر آرام سے کانٹوں کی سو جاتے ہیں ہم

بُھولے بھٹکے کو درِ حسنین پر لاتے ہیں ہم
ناخدائے کشتیِ عرفان کہلاتے ہیں ہم

میکدہ تنہا نہیں، ہیں دشتِ و گلشن بھی گواہ
اس کو اپناتی ہے دنیا جس کو اپناتے ہیں ہم

دشمنوں کے سامنے رہتے ہیں آہن کی طرح
اور بزمِ دوستاں میں موم بن جاتے ہیں ہم

بیٹھ کر بزمِ علیؑ مرتضیٰ میں رات دن
ہم جلیسِ حضرتِ جبریل کہلاتے ہیں ہم

سر میں سودائے شہادت، لب پہ ذکرِ مرتضیٰ
ہو کے راہوں سے اِرم کی کربلا جاتے ہیں ہم

اور کیا ہوگا غلامیؑ ابوذر کا ثبوت
اغنیا سے تمکنت کے ساتھ پیش آتے ہیں ہم

بخشتے ہیں علم ہم، یہ علم خود آتا نہیں
روشنی آتی نہیں خود، روشنی لاتے ہیں ہم

بوئے گل کی طرح رہتے ہیں دماغ و ذہن میں
فصلِ گل کی طرح رنگ و نُور برساتے ہیں ہم

چومتا ہے لب کو ورِیلائے خطابت دم بدم
یا علیؑ کہہ کر سرِمنبر جو آجاتے ہیں ہم

طنز کے نشتر اُدھر اور گل نصیحت کے اِدھر
آگ برساتی ہے دنیا پھول برساتے ہیں ہم

کربلا شاہد نذر ایسے کہ ہنگامِ جدال
گھاؤ سے تیغ و تبر کے دل کو بہلاتے رہیں ہم

دیکھئے حُرِّ جری کو پوچھئے عمار سے
جان دے کرمالکِ تقدیر بن جلتے رہیں ہم

تمکنت یہ ہے کہ پاکر نقشِ پائے مرتضیٰؑ
تختِ قیصر، دولتِ کسریٰ کو ٹھکراتے رہیں ہم

دینِ حق پر آنچ آتے دیکھتے ہیں جس گھڑی
بر بنائے مصلحت بہلول بن جلتے رہیں ہم

معنی و مفہوم میں رضوی وہ ہوتا ہے اٹل
نکتہ رس ایسے کہ جس نکتے کو سمجھاتے رہیں ہم

انجمن وظیفہ سادات

دریائے سخاوت میں اُبھر کے دیکھو
ایثار کی منزل سے گزر کے دیکھو
ہر آن یہ کہتا ہے وظیفہ سادات '
جنّت کا ہے سودا اِسے کر کے دیکھو

O

یہ کام بھی اے شہ کے عزادار کرو
امداد پئے طالبِ نادار کرو

حیدر کے اگر ماننے والے ہو سُنو
تم علم کے میدان کو ہموار کرو

O

سہل، منزل تک پہنچنا امرِ ناممکن حضور
اُس سفر میں راستہ دشوار پڑنا چاہیئے
مال سے بھی امتحانِ بندگی لیتا ہے وہ۔!
جیب پر بھی آپ کی کچھ بار پڑنا چاہیئے

O

آپ دانش مند، خوش اقبال، ذی علم و نظر
آپ نکتہ سنج، دل والے، قلم کے معتبر
ربِّ اکبر کی قسم یہ سوچنا ہی ہے عبث
اس تکلم کا نتیجہ آپ پر اور بے اثر

O

صَرف اِس پر نہ وقت کو کیجئے
یہ تباہی کا کام ہے یارو
میں نے کہتے سُنا ہے واعظ کو
شعر گوئی حرام ہے یارو

O

متفرّقات

یادِ ماضی

وہ باتیں اور وہ قصّے روح پرور یاد آتے ہیں
وہ جنگل اور اشجار تناور یاد آتے ہیں
وہ باغ اور لہلہاتے کھیت اکثر یاد آتے ہیں
ترے شامِ اودھ پُرکیف منظر یاد آتے ہیں

اِنھیں باغوں میں شغلِ بادہ و پیمانہ رہتا تھا
اِنھیں باغوں میں کوئی بیخود و مستانہ رہتا تھا
اِنھیں باغوں میں کوئی بنکے اک افسانہ رہتا تھا
وہی باغ آج فرصت میں جو اکثر یاد آتے ہیں

وہ جنگل اور وہ پکھرے وہ نلے اور وہ ندی
وہ مہوے وہ کھجوریں وہ فضا وہ آم وہ تاڑی
وہ روتارے وہ تیلی، چھتری وہ ڈوم وہ پاسی
یہ سب کچھ اب خیال و خواب بن کر یاد آتے ہیں

وہ زرخیزی وہ زر ریزی وہ زرکاری وہ زر بنیری
وہ دن وہ رات وہ موسم وہ فصلیں وہ طرب خیزی
وہ ساون وہ گھٹا وہ برق وہ بادل وہ گل ریزی
ترے سارے مناظر لطف پرور یاد آتے ہیں

سحر کا وقت وہ برسات اور وہ گاؤں کا منظر
حسیں صورت حسیں رنگت حسیں چہرے حسیں پیکر
وہ زلفیں یا گھٹائیں تھیں وہ رُخ تھے یا مہ و اختر
نکل پڑتے ہیں آنسو جب وہ منظر یاد آتے ہیں

وہ سورج جھلملایا اور وہ بڑھنے لگے سائے
وہ شب مشرق کی جانب سے چلی زلفوں کو پھیلائے
وہ تیزی سے چلے گھر کی طرف جنگل سے چوپائے
حقائق آج سب افسانہ بن کر یاد آتے ہیں

ترے شامِ اودھ پُرکیف منظر آتے ہیں

وہ روضہ اور وہ روضے پہ قبریں سب کہانی ہیں
بالفاظ دگر فانی تھے وہ اور ہم بھی فانی ہیں
مگر یادیں تری اِن عظمتوں کی جاودانی ہیں
ترے آثارِ باعظمت برابر یاد آتے ہیں

وہ گھر سے دور اک اسکول، اور اسکول کی دنیا
نہ جس میں خوفِ ماضی اور نہ تھی دنیا و مافیہا
وہی جس میں کہ میں اور میرا ہر اک دوست پڑھتا تھا
تڑپ اٹھتا ہے دل جب بھی وہ یاور یاد آتے ہیں

کنویں سے صبحِ کاذب وہ کسی کا چیخ کر کہنا
"سُنَت ہا ہے جلالو حالی آوا ندہ گیل گھرا
پڑے تورث ہا کھٹیا کا اُٹھا دیکھا اُوَل سگوا"
یہ قصّے دور رہ کر تجھ سے اکثر یاد آتے ہیں

ترے باسی فرشتے تھے ترے ذرّے مہ و اختر
ہواؤں میں تری خوشبو، فضاؤں میں تری عنبر
تیرے دن کیف آگیں تھے تری راتیں سکوں پرور
تری بستی کے ہم کو اہلِ جوہر یاد آتے ہیں

تری بستی میں اُبھرا جب فساد و ظلم شور و شر!
تری بستی کے دروازے ہوئے ہیں بند جب ہم پر
تری بستی کو چھوڑا ہے دلِ مضطر نے رو رو کر
ترے ذرات کے بدلے سے تیور یاد آتے ہیں

لبوں کو بند کر ڈالا دلوں کو چُور کر ڈالا
ترے ناقص کپوتوں نے ہمیں مجبور کر ڈالا
تری آغوش سے بے وجہ ہم کو دور کر ڈالا
ترے وہ بندگانِ جور پرور یاد آتے ہیں

سنگِ اسود

مرتبہ میں سنگِ اسود کا نہیں کوئی جواب
یعنی حق یہ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب
اس کو مَس کرتا ہے جب ہاتھوں سے کوئی دیندار
جھوم پڑتی ہے خدائی مسکراتی ہے بہار
اس کو مَس کرتا ہے جب ہاتھوں سے کوئی بدنہاد
چومتے ہیں پاؤں اس کے ظلم و شر بغض و عناد
اس کو مَس کرتا ہے جب ہاتھوں سے کوئی روسیاہ
اور بن جاتا ہے دنیا کی نظر میں کج نگاہ
چومتا ہے اس کو جب کوئی منافق بدشعور
خود بخود آکر گلے ملتے ہیں اُس سے مکر و زُور
چوم لے گر اس کو وہ، ہو جس کی خلقت میں فتور
رہ نہیں سکتا جہاں میں عیب اس کا بے ظہور
اور بڑھ جاتا ہے اس کو چوم کر دل کا مرض!
خود غرض کچھ اور بن جاتا ہے یعنی خود غرض

غزل

یہ دردِ ناروا ہے اور میں
زمانے کی ہوا ہے اور میں ہوں

خطا مرنا، جتن جینے کی کرنا
صریحی مسئلہ ہے اور میں ہوں

افق سے تا افق سرخی شفق کی
کسی گل کی قبا ہے اور میں ہوں

غرور و ناز اور اک سرو قامت
یہ اٹھکھیلی ہوا ہے اور میں ہوں

گدائے کوئے جاناں، کوئے جاناں
صنم نا آشنا ہے اور میں ہوں

کہیں جھڑکی، کہیں دشنام یعنی
کلامِ ناروا ہے اور میں ہوں

مرے اشعار تابندہ و زندہ
بہارِ بے بہا ہے اور میں ہوں

دلِ ناشاد ہے اور مجھ سا شاعر
یہ کلفت آشنا ہے اور میں ہوں

اُٹھوں در سے ترے، جاؤں کہاں پر
یہ مشکل مسئلہ ہے اور میں ہوں

قلم، اشعار، الفاظ و معانی
یہ اب آب و غذا ہے اور میں ہوں

چراغِ خانۂ مخدوش شاید
یہ واحد دل جلا ہے اور میں ہوں

غرور و کبر کے لاکھوں صنم ہیں
جہاں اک بتکدہ ہے اور میں ہوں

تصور، وہ جوانی، نُور و رنگت
پرانا جھگڑا ہے اور میں ہوں

درِ ساقی، سرِ میخوار، یعنی
مآلِ مدعا ہے اور میں ہوں

نگاہِ لطف پڑ سکتی ہے مجھ پر
ذرا سا آسرا ہے اور میں ہوں

یہ تنہائی وہ شب انداز زُلفیں
یہ اک کالی بلا ہے اور میں ہوں

تصور میں کسی سے ہم کلامی
یہی اک مشغلہ ہے اور میں ہوں

یہ حرص و آز کے تاریک بادل
یہ آندھی، یہ گھٹا ہے اور میں ہوں
یہ بالو، ریت کا انبار ہر سُو
سمندر کی ہوا ہے اور میں ہوں
وہ مقتل یعنی میدانِ محبت
وہ خنجر آزما ہے اور میں ہوں
درِ دنیا و دنیا کے لذائذ
فریبِ دلربا ہے اور میں ہوں
جسے اب زندگی کہتا ہوں یعنی
نہ مرنے کی سزا ہے اور میں ہوں
ضعیفی جسم سے لپٹی ہوئی ہے
پُرانا بوریہ ہے اور میں ہوں
انیس و میر سا بننے کی خواہش
کٹھن یہ مرحلہ ہے اور میں ہوں
غزل وجہِ بُکا ہے اور میں ہوں
فرات و کربلا ہے اور میں ہوں
خدا ہے، ناخدا ہے اور میں ہوں
درِ خیرالوریٰ ہے اور میں ہوں

قصائد اور قصائد کا نتیجہ
ورا ہے ماورا ہے اور میں ہوں
چراغِ شب، اندھیری کوٹھری ہے
یہ رضوی دل جلا ہے اور میں ہوں

غزل

جزوِ ناقص جانئے گر کوئی بدکردار ہے
یعنی رنگ و بو نہیں جس میں وہ گل بیکار ہے
اللہ اللہ اہلِ وحشت کی نزاکت دیکھئے
کیا گریباں کی حقیقت اور وہ بھی بار ہے
شکوۂ ابنائے دوراں کل اگر بیکار تھا
شکوۂ ابنائے دوراں آج بھی بیکار ہے
نور و ظلمت کی حقیقت کچھ نہیں اس کے سوا
ایک روئے یار ہے اور ایک زلفِ یار ہے
تیرے آنے کا تصوّر تیرے جانے کا خیال
ذہن پر اک بار تھا اور ذہن پر اک بار ہے
عمر کی ڈھلوان وادی اور تعزّل کی تلاش
وقت کی پائل میں یہ بے وقت کی جھنکار ہے

سخت محنت اور نتیجہ پیٹ کی دو روٹیاں
زندگی دشوار تھی اور زندگی دشوار ہے

خوفِ دنیا، خوفِ عقبیٰ، خوفِ ہستی، خوفِ مرگ
میں کہ اک بیکس مسافر، مجھ پہ کتنا بار ہے

جانتا ہوں رضویؔ خوش فکر کو مدّت سے میں
تم غلط سمجھے ہو وہ اکھڑ نہیں خوددار ہے

شاعری

جلتے ہیں گر تو جائیں دل و جان دوستو
کرنا ہے اب حیات کا سامان دوستو

اشعار کا ہجوم ہے اور ذوقِ انتخاب
اِس برق سے یہ طور پریشان دوستو

ہاں خانۂ خیال کو ملتی ہے روشنی
آتے ہیں اس سے وجد میں اذہان دوستو

اس کا بھی احترام ہے اور تم بھی محترم
ذیشان تم بھی فکر بھی ذیشان دوستو

دعوت مطالعہ کی مگر احتیاط سے
انسان اس سے بنتا ہے انسان دوستو

شعر و سخن کہ علم ہیں اور علم روشنی
بن جاؤ روشنی کے نگہبان دوستو

تم سے ہو ہم کلام اِس اپنے کلام سے
رضوی کے دل میں ایک ہی ارمان دوستو